ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

جنوری 2023ء - جمادی الثانی 1444ھ

نام آنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا لب پر
تو بگڑتا ہے؟ وہ پہلو میں سلائے ہوئے ہیں

صدیق رضی اللہ عنہ عکس کمالِ محمد ﷺ است

اے بی سی تصدیق شدہ اشاعت CPL.No:406

ماہنامہ
دلیلِ راہ
لاہور

شمارہ 01 | جنوری 2023ء | جلد 31

مدیر اعلیٰ
سید ریاض حسین شاہ

ہرچہ من دربزمِ شوق آوردہ ام

1	نعت شریف	نیاز سواتی	2
2	گفتنی و ناگفتنی	سید ریاض حسین شاہ	3
3	تبصرہ و تذکرہ	سید ریاض حسین شاہ	7
4	درس حدیث	حافظ سخی احمد	12
5	تصور حکمت، مفہوم و مطالب	محمد شریف سیالوی مرحوم	14
6	شمائل رسول پر مبنی مکمل حدیث	محمد بن علوی المالکی	16
7	ریاض بوتراب ہے فروغ فکر الکتاب	ڈاکٹر ظفر اقبال نوری	17
8	تجارت اور اصول تجارت	ڈاکٹر محمد اظہر نعیم	18
9	ریاض الجنہ کے مقدس ستون	ذیشان کلیم معصومی	20
10	مولانا روم اور شمس تبریز (ایک ملاقات)	آصف بلال آصف	22
11	اذان اور مؤذن کی فضیلت	حافظ کریم اللہ چشتی مرحوم	24
12	سنابل نور	سید ریاض حسین شاہ	28
13	مسالک الحنفا	علامہ آصف محمود	29
14	صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن	ماسٹر احسان الٰہی	33
15	شاہ جی کے گلستان سے	ڈاکٹر منظور حسین اختر	37
16	یادیں اور باتیں	حافظ شیخ محمد قاسم	39

مشیر ادارت

ڈاکٹر رضا فاروقی

مجلسِ اعزاز

- علامہ حافظ نور محمد بندیالوی
- محمد نواز کھرل
- سید قیصر عباس شاہ
- انجینئر سرفراز احمد ضیغم
- حافظ محمد زبیر اعوان
- ارشد محمود ارشد
- احد شریف
- شیخ محمد راشد

ادارتی معاونین

- ابو محی الدین
- ڈاکٹر منظور حسین اختر
- طالب حسین مرزا
- خادم حسین مرزا
- حافظ محمد عفان منظور

قیمت فی شمارہ

30 روپے

سالانہ خریدار بمعہ ڈاک خرچ

450/= روپے

بیرون ملک سالانہ

150 ڈالر، 80 پونڈز

رابطہ دفتر: اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 042-35838038, 0322-4301986

ہیڈ آفس: ادارہ تعلیمات اسلامیہ سیکٹر نمبر 3، خیابان سرسید راولپنڈی فون: 051-4831112

E-mail: daleelerah@gmail.com Online Edition: www.daleelerah.com

پبلشر سید ریاض حسین شاہ نے گنج شکر پرنٹرز سے چھپوا کر ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کیا

خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ عطا کیا ہے جمال، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ عطا کیا ہے جمال ، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !
نہیں ہے جس کی نظیر کوئی ، نہیں ہے جس کی مثال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !
بہت ستاتی ہے مجھ کو فرقت ، بہت رلاتی ہے مجھ کو فرقت
غمِ جدائی میں ایک اک پل ، جیسے اِک ایک سال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !
نہ دن کو ملتا ہے چین مجھ کو ، نہ شب کو آتی ہے نیند مجھ کو
بہت الم ناک ہو گیا ہے ، غمِ جدائی میں حال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !
دیارِ طیبہ کو دیکھنے کے بغیر ہی موت آ نہ جائے
مجھے شب و روز بس یہی اِک ، ستا رہا ہے خیال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !
میری تمنا فقط یہی ہے ، کہ میں بھی روضے پہ حاضری دوں
نہ چاہیے مجھ کو مال و دولت ، نہ کوئی مال و منال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !
مجھے بھی دَر پر کبھی بلائیں ، مرے مقدر کو بھی جگائیں
یہی بس اک التجا ہے دل کی ، یہی ہے لب پر سوال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم !

نیاز سواتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ فرشی ہے یا عرشی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ایک مرتبہ خدمت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

میرے کچھ رشتے دار ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں جب کہ وہ رشتے منقطع کرتے ہیں، میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ میری برائی چاہتے ہیں اور وہ معاملات میں جہالت پر اتر آتے ہیں اور میں برداشت کرتا رہتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اگر یہ ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو تو تم ان کے منہ میں گرم راکھ بھرتے ہو تم جب تک اس حالت پر قائم رہو گے اللہ کی طرف سے تمہاری مدد ہوتی رہے گی''۔

(الادب المفرد للبخاری، صحیح مسلم باب صلہ الرحم)

قارئین!

آسمان نبوت سے برسنے والی بارانِ رحمت نفوس کو رشتوں اور ناطوں کے بارے میں دھو رہی ہے۔ زندگی محبت، نوازش اور تحمل کے بغیر ایسا درخت ہے جس میں کوئی پھول اور پھل نہ ہو۔ لوگوں کی غلطیاں معاف کرنا، انہیں قریب لانا اور ان کے بارے میں تحمل معاشرتی زندگی کو پُرشباب بنا دینا ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ارشاد میں تین مضرات کی نفی فرمائی ہے:

1۔ منقطع کرنا

2۔ لوگوں کی برائی چاہنا

یہ چیزیں ویسے بھی اچھی نہیں پھر جب یہ رشتے داریوں میں اتار لی جائیں تو معاشرہ صحرائی ببول کی طرح ہوجاتا ہے، یہ حقائق تو آدمی کو بیعت کی طرح زندگی میں سمو لینے ہوتے ہیں جوڑنے جیسی کوئی بات نہیں۔

لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے ایسی کوئی بھلائی نہیں اور اخلاق اور معاملات میں جہالت کی دھواں کشی کی بجائے دھیما پن، سہل پسند ہونے اور مشکلات گریزی ایسی کوئی حکمت نہیں۔

رشتے داریوں میں اختلافات اور تنازعات کی آگ ٹھنڈی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آگ میں پھونکیں مارنا اسے اور تیز کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ طوفان بادوباراں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ فصلوں کو زمین پر بچھا دیتا ہے اور بڑے درختوں کی شاخیں بھی اس سے تڑاق تڑاق ٹوٹتی ہیں، رشتے ناطے بھی جب ٹوٹ جائیں اور دلوں کی فصلیں جل سڑ جائیں تو نئے بیج اُگا کر نئی فصلیں تیار کرنا وقت کھاتا ہے اس لیے رشتے داری کی جس کشتی میں اللہ نے آپ کو جگہ دی ہے اس میں خود کو محفوظ بنائیں، آپ کی معاشرتی عزت اور وقار میں اضافہ ہوجائے گا۔

رشتہ داری ندی اور آبِ جو کی طرح ہوتی ہے جو ہمیشہ بیدار رہتی ہے۔ اس میں جوش و خروش اس کی فطرت ہوتی ہے اس کو لوریوں سے سلایا نہیں جا سکتا۔ اس نے بہر حال منزل کی طرف رواں دواں رہنا ہوتا ہے۔ اس کے پانی سے پھول کھلائے جا سکتے ہیں اور چمنستانوں کی آبیاری کی جا سکتی ہے لیکن ندی کے پانی کو مٹھی میں بند نہیں کیا جا سکتا۔

ماں باپ، بیٹے، بیوی اور بھائی بہنیں فوج نہیں ہوتیں جنہیں پسپا کرنے کی فکر کی جائے اور مسخر کرنے کا کوئی جادو سیکھا جائے۔ ان کی عادت ہوتی ہے یہ آبگینوں کی طرح ٹوٹتے ہیں اور کوہستانوں کی طرح ڈٹتے ہیں۔ انہیں سجانا، بڑھانا اور منانا ہی دانائی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے واہ واہ لفظ استعمال فرمایا کہ گرم راکھ سے ان کا منہ بند کر دینا حکمت ہوتی ہے۔ گرم راکھ جلاتی نہیں لیکن توجہ کو دوسرے عنوان کی طرف مبذول ضرور کرا دیتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ رشتہ دار دور ہوں تو یاد آتے ہیں اور نزدیک ہوں تو تڑپاتے ہیں۔ ان سے دشمنی رکھو تو بچھو کی طرح ڈستے ہیں اور دوستی رکھو تو سرطان کی طرح نگل جاتے ہیں۔ یہ گرمیوں میں موٹے لباس کی طرح ہوتے ہیں جو ڈھانپتے ڈھانکتے بھی ہیں لیکن ٹاٹ کی طرح چبھتے بھی ہیں، ان سے رخ پھیرو تو نقارے پر چوب پڑتی ہے اور پیار سے انہیں دیکھ لو تو ان کی خواہشوں کے جوئیباروں میں سیلاب آ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سورج کی کرنوں کی طرح چمکتے ہیں کہ صلہ رحمی سے، بھلائی سے اور تحمل سے ان کی مدد کرتے رہنا چاہیے۔ یہ ایسا وظیفہ ہے کہ جو پڑھے اللہ کی مدد اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہے۔

عزیزوں، دوستوں اور قریبیوں کی غلطیوں سے برہم نہیں ہونا چاہیے، ان سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ہم بعض اوقات اصلاح کی کوشش کرتے کرتے خود جنگ عظیم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی ذات کے اندھیروں سے نکلنے کے لیے کشادہ راستہ دکھانا پڑتا ہے، اگر کوئی شخص اپنے قریبی لوگوں میں محبوب بن کر جینا چاہے تو اس کے لیے ذہنوں، دلوں اور رویوں میں محبت کی مٹھاس بھرنی پڑتی ہے۔

ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیعت ہجرت کرنے حاضر ہوا اور خدمت رسالت میں عرض کی:

”یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کا شرف حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں

اور میری بیعت ہجرت کی شرط پر ہوگی لیکن میں اپنے والدین کو روتا چھوڑ کر آیا ہوں''۔

آپ ﷺ نے اس شخص کی نہ سرزنش کی اور نہ ہی اس کے فعل کو چھوٹا جانا اور نہ ہی اسے بے وقوف ہونے کا طعنہ دیا چونکہ آنے والا شخص اچھی نیت رکھتا تھا اور بیعت بھی اچھی چیز ہے اور اصلاح کا یہ اہم ذریعہ اور وسیلہ ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کس طرح اس کے ماں باپ کا خیال رکھا اور اسے بھی سیدھی راہ سے دور نہ کیا۔

آپ ﷺ نے خوش دلی سے اس شخص کو سمجھا دیا:

''واپس جاؤ اور والدین کو جیسے رلایا تھا ویسے ہنساؤ''۔

حضور ﷺ نے لوگوں کی آزادی کو مسخ نہ کیا اور انہیں فیصلے کرنے کا حوصلہ دیا اور یہ بھی کہ مباح نیکیوں میں ترجیح کا میزان ان کی اجتہادی صلاحیتوں کے ساتھ جوڑ دیا اپنی ترجیح صرف یہ رکھی کہ فیصلہ کرتے ہوئے راستے اچھے تجویز کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

دور رسالت سے ربط قائم رہے۔۔۔۔۔!!!

لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نہ بھریں

طمانیت کی روشنی ان کا سرمہ ہو۔۔۔۔۔!!!

اور روتے ہوؤں کو ہنسانا اتنی بڑی نیکی ہے

کہ اس پر اللہ بھی خوش ہوتا ہے اور

اس کے رسول ﷺ بھی مطمئن رہتے ہیں۔۔۔۔۔!!!

طالبین!

سالکین!

اور

محبین!

لوگوں کے ساتھ اچھے سمجھ دار اور محسن طبیبوں ایسا سلوک روا رکھیں جیسے انہیں اپنی دوا بیچنے سے غرض نہیں ہوتی مریضوں کی صحت کی فکر ہوتی ہے۔

محفل گل کے آخر شد ن کا اعلان ہونے والا ہے اس لیے ''ترابی'' افکار سمجھنے والے غیر مربوط خاک سے مربوط مٹی کے وصال سے پہلے یہ نقطہ سمجھ لیں:

''محبت کرنے والوں کی آنکھوں میں حسن ازل کے کنول تیرتے رہتے ہیں، محبت روحوں کی مالک ہوجائے تو قبروں میں بھی سکون کی خوشبو ہم آغوش رہتی ہے''۔

محبت میں رونا پیٹنا اس کا مقدر ہے۔

کسی شاعر نے صحیح لکھا تھا:

''محبت ایک نوجواں ہے

جس کی بیڑیاں ٹوٹ چکی ہیں

یہ جسم کے کثیف ذروں کی روح کے خلاف بغاوت ہے

لیکن حرفوں کا چراغی ''بوترابی'' ہے

اس لیے

محبت کو جذبوں کی شکست نہیں سمجھتا

اسی لیے تو وہ جسم کے ذروں کو گنگا کی نظر کرنے کا مذہب بھی نہیں رکھتا

وہ خاک کو ریاض الجنۃ بنانے والوں کی محبتوں کا پرچم بردار ہے''۔

اس درس کا خلاصہ ریاض الجنۃ ہے اس لیے کہ اس پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نشاں باقی ہیں اور بوتراب بھی تو اسی تراب پر لیٹے تھے۔ اب خود سمجھ لو کہ جو آپ کے قدموں تک رسائی پا گیا، وہ فرشی ہے یا عرشی، کثیف ہے یا لطیف۔

''آؤ''

ریاض الجنۃ کے روحانی جہاں سے زمانوں کو عزائم کی نئی صبحوں کا فروغ تلاش کرنے کا درس دیتے ہیں۔

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید فرقان حمید کی تفسیر ''تبصرہ'' کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت نمبر 133 تا 137 کی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ
عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ
لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ
الضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ
النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ وَالَّذِیۡنَ
اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا
اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ
الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ
ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ مِّنۡ
رَّبِّہِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ
خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ؕ قَدۡ
خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ
فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۳۷﴾

''اور اپنے ربّ کی طرف سے بخشش کے لیے جلدی کرو اور اس شان والی جنت کے لیے کہ سارے آسمان اور زمین اس کی چوڑائی میں سما جائیں، تقویٰ داروں کے لیے تیار کی گئی ہے، وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں ہوں تو بھی اور تکلیف میں ہوں تو بھی اور غصّہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور ایسے لوگ جب کوئی بُرا کام کر بیٹھیں یا اپنے نفسوں پر ان سے کوئی ظلم ہو جائے اللہ کو یاد کرتے ہیں ساتھ ہی وہ اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی جزا اُن کے ربّ کی طرف سے بخشش کی صورت میں ہوتی ہے اور ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہوں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہوتا ہے، تم سے پہلے گزرے ہوئے کتنے ہی لوگوں کے آثار موجود ہیں، زمین میں ذرا گھوم کر دیکھو تو سہی کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا ہے''۔

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ
وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ۙ

''اور اپنے ربّ کی طرف سے بخشش کے لیے جلدی کرو اور اس شان والی جنت کے لیے کہ سارے آسمان اور زمین اس کی چوڑائی میں سما جائیں، تقویٰ داروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

قرآن مجید تقویٰ داروں کو جزائے اعمال کا حسن اور اثر وجدان پرور اور صلاحیت ساز اسلوب میں سمجھاتا ہے۔ کھجوریں اُگانے کی منفعت کو کھجوریں کھانے کی لذت میں سمو دینا ہدایت کلامی ہے۔ آیت میں حلال اور حرام کی تمیز رکھنے کی منفعتوں کو مغفرت اور وسعت جنت کی جزاؤں میں سمیٹ لینا روح اور بدن کی تربیت کا دلکش اسلوب ہے۔ دیکھا جائے تو آیت متقین کی عظمت و فضیلت کے بیان پر منتج ہو رہی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ آیت میں جنت کی وسعت سیاحت کے ذوقِ لازوال کی پرورش کرتی ہے۔ آسمانوں کی وسعتیں اور زمینوں کی پہنائیاں غلامانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گرد پا محسوس ہو رہی ہیں۔ جہانِ رحمت میں تیار ہونے والی جنت کی چوڑائی کا عالم یہ ہے تو لمبائی کا عالم کیا ہوگا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ جنت کے ساتھ مغفرت کو جوڑا گیا ہے اور مغفرت تو گناہوں کی معافی کی ہوتی ہے۔ آیت میں ان تقویٰ داروں کی بات ہو رہی ہے جو پہلے گناہ کرتے ہیں پھر توبہ کرتے ہیں یا شفاعت اور کرم ان کو ہم آغوش کر لیتا ہے تو انہیں جزاؤں کا یہ وسیع جہاں مل جاتا ہے، پھر اندازہ لگائیے ان متقین کی فضیلتوں کا عالم کیا ہوگا جو معصوم ہوں گے یا محفوظ ہوں گے۔

اسباب مغفرت میں اکابر کے اقوال روحانیت کا رنگ بکھیرتے ہیں (454):

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بخشش کا سبب فرائض کا ادا کرنا ہے۔

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مغفرت کا ذریعہ اخلاص اور خلوص ہے۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سبب مغفرت اسلام لکھا ہے۔

☆ ابو العالیہ نے فرمایا: ہجرت سبب مغفرت ہے۔

☆ ضحاک نے لکھا کہ جہاد فی سبیل اللہ مغفرت کا ذریعہ ہے۔

☆ سعید بن جبیر نماز میں تکبیر اولیٰ کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔

☆ حضرت عکرمہ نے طاعات کا قول کیا ہے۔

☆ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قولِ ثانی پانچ نمازوں کا سبب مغفرت

ہونا ہے۔

☆ اصم سود سے بچنا سرعت الیٰ توبہ ہے۔

☆ فقیر کے نزدیک احکام رسالت کی خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ چلنا ہے۔

چلے تُو تو خوشبو چلے آگے آگے
بدستِ صبا مجمر غالیہ ہے

جمالیاتی ادب کا گلِ بنفشہ

ھرقل نے ایک قاصد بخدمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا کہ آپ نے اپنے خط میں مجھے جنت کی طرف بلایا ہے۔ ایسی جنت جس کی چوڑائی میں آسمان اور زمینیں سما جائیں۔ جب جنت اتنی چوڑی ہوگی تو ''جہنم'' کہاں جائے گی۔

رسول النور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیمانہ جواب ارشاد فرمایا:

''جب دن طلوع ہوتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے''۔

اسی مفہوم کی بات تورات میں بھی کی گئی ہے (455)۔

الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾

''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں ہوں تو بھی اور تکلیف میں ہوں تو بھی اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

آیت کی تفسیر میں قلم و قرطاس کی نازش آلوسی لکھتے ہیں کہ بتایا جارہا ہے کہ محسنین کون لوگ ہوتے ہیں وہ جو یسر اور عسر میں خرچ کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خوشی ہو یا غم مال خرچ کرنا محسنین اور متقین کا عشق ہوتا ہے۔

آلوسی کی باتیں عرشی ہوجاتی ہیں جب وہ سرور اور غم اور یسر و عسر کو کھولتے ہیں کہ خرچ کرنا تقویٰ داروں کی روحوں میں رچا بسا ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں پر بھی خرچ کرتے ہیں جن پر خرچ کر کے وہ خوش ہوسکتے ہیں مثلاً اقارب ہوئے، اولاد ہوئی اور وہاں بھی یہ خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کرنے سے دکھ ہوتا ہے مثلاً دشمن ہوئے تقویٰ دار جو جنت کی رونق ہوں گے وہ غریب ہو یا امیر قربانی اور فداکاری ان کا شیوہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (456):

''تم مال خرچ کرو تم پر مال خرچ کیا جائے گا یعنی خرچ کرنے والے کے لیے اسباب و وسائل وسیع کردیے جاتے ہیں''۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (457):

''سخاوت اور کرم کو عظیم مرتبہ دے کر پیدا کیا گیا''۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (458):

''بعض دفعہ ایک درہم ایک لاکھ درہموں پر سبقت لے جاتا ہے''۔

ایک شخص نے عرض کیا وہ کیسے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟

آپ نے فرمایا:

''ایک آدمی کے پاس کثیر مال ہوتا ہے وہ اس مال سے ایک لاکھ خرچ کرتا ہے اور ایک شخص کے پاس صرف دو درہم ہوتے ہیں وہ ان میں سے ایک درہم صدقہ کردیتا ہے یوں ایک لاکھ پر سبقت لے جاتا ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ انگور کا ایک دانہ صدقہ کیا (459)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے (460):

''سائل کو نواز کر لوٹاؤ کیوں نہ بکری کے پاؤں کی جلی ہوئی ہڈی سے ہو''۔

ایک حدیث میں ہے کہ (461):

''آگ سے بچو خواہ تمہیں چھوہارے کے ایک ٹکڑے کے صدقہ کرنے سے یہ منزل ملے''۔

بعض اسلاف نے پیاز کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی صدقہ کیا (462)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (463):

''سخی اللہ سے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جنت سے بھی قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے جبکہ بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے لوگوں سے بھی دور ہوتا ہے اور جنت سے بھی دور ہوتا ہے اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے۔ جاہل سخی کنجوس عابد کی نسبت اللہ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے''۔

تقویٰ داروں کی دوسری صفت

زیر تفسیر آیت متقی لوگوں کی دوسری صفت بیان کرتی ہے کہ وہ غصہ پی جانے والے لوگ ہوتے ہیں۔

''کظم'' کا اساسی اور بنیادی معنیٰ بند کرنا ہوتا ہے۔ ''کظم الباب'' کا معنیٰ ہوگا دروازہ بند کرنا ''کظم النھر'' کا مفہوم ہوگا نہر کا پانی روکنا (464)۔ تاج العروس اور لسان العرب نے اس کا معنیٰ اونٹ کا جگالی کرنے سے رک جانا لکھا ہے (465)۔ راغب اصفہانی نے غصہ کا پی جانا، غیظ کو گلے سے نیچے اتار لینا اس کا معنیٰ لکھا ہے۔ بیضاوی نے ہیجان کے وقت خود کو ردعمل یا جوش اظہار سے روک لینا اس کا معنیٰ لکھا ہے (466)۔ مبرد نے لکھا (467) کہ غصہ کا چھپا لینا ''کظم'' ہوتا ہے۔ غصہ کے وقت بڑبڑاہٹ کو روک لینا ''تکظیم'' ہوتا ہے۔

تفسیر خازن میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (468):

''بہادر وہ نہیں جو غصہ کے وقت کسی کو گرادے، پہلوان تو وہ ہے جو غضب کی کیفیت میں بھی اپنا مالک ہو''۔

تفسیر مظہری میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (469):

''جس شخص نے اپنے غصہ کو روک لیا، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔

درالمنثور میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (470):

''جس شخص نے غصہ کو روک لیا حالانکہ وہ غصہ کو لاگو کرنے پر قدرت رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ اسے امن اور ایمان سے بھردے گا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے (471):

''غصہ پر ضبط رکھنے والا شخص بروز قیامت پیچھے کھڑا ہوگا، اللہ اسے آگے بلاکر یہ خوشخبری دے گا کہ تم خوش ہو اور جو حور تمہارا دل چاہے

سنگت میں لے لو"۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول انور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"اس شخص کو اللہ کی محبت حاصل ہوجاتی ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھتا ہے"۔

فضیلت مآب لوگوں کی تیسری صفت

لوگوں سے درگزر کرنا ایک عظیم تر نیکی ہے، خوب تر اخلاق ہے اور حسن المآب بھلائی ہے، بظاہر یہ غصہ کو پی جانے کے مترادف نظر آتی ہے لیکن حقیقۃً دونوں میں فرق ہے۔ غصہ پی لینے والا ضروری نہیں کہ مغضوب علیہ سے نفرت کو دل سے دھو لے لیکن عفو ایک ایسا اخلاق ہے جس میں طبیعت بھی نیکی کی روحانیت سے ڈھل جاتی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کظم الغیظ اور درگزر کو جمع کرنے سے عفو کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ ممالیک اور ماتحت لوگوں کو معاف کر دینے والے ہی متقی ہوتے ہیں، چونکہ خادمین غلطیاں بہت کرتے ہیں، مالکوں کو ان پر دسترس حاصل ہوتی ہے، انہیں سزا دینا آسان ہوتا ہے، اس لئے انہیں معاف کرنا عفو کا بہترین درجہ ہے۔ قرطبی نے لکھا کہ ہر غلطی کو معاف کر دینے والا اس صفت کا حامل ہوتا ہے(472)۔

متقین لوگوں کی چوتھی صفت

محسن ہونا اور صاحب احسان ہونا تقویٰ والوں کی چوتھی صفت ہے۔ حدیث جبرائیل کے مطابق صاحب احسان کا باطن اللہ کی محبت سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ ایک لحظہ کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ مفسرین نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس پر احسان کرنے والوں سے بھی محبت ہوتی ہے اور نفس پر احسان کرنے والے وہ ہوتے ہیں جو گناہوں پر فوراً تائب ہوتے ہیں۔ پانی پتی نے لکھا کہ لوگوں پر احسان کرنے کے دو مطلب ہوتے ہیں: ایک ان کو نفع پہنچانا اور دوسرا ان سے ضرر کو دور کرنا۔ فخر رازی نے یہ بھی لکھا کہ اللہ کے بندوں سے محبت کرنا سب سے بڑا احسان ہے(473)۔

ایک میٹھا اور لذیذ واقعہ

ایک مرتبہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ایک کنیز آپ کے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ امام پاک کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ آپ نے کنیز کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولی "وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ"، امام نے فرمایا: میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ کنیز دانا تھی عرض کرنے لگی: "وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ" امام نے فرمایا: جا میں نے تجھے معاف بھی کر دیا وہ بولی: "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" امام فرمانے لگے: جا میں نے تجھے آزاد بھی کر دیا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ شجرِ طوبیٰ کی طرح ان مراتب اخلاق میں سے ہر ایک شاخ دوسری شاخ سے بلند تر ہے(474)۔ واللہ اعلم

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۵

"اور ایسے لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنے نفسوں پر ان سے کوئی ظلم ہو جائے اللہ کو یاد کرتے ہیں ساتھ ہی وہ اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے اور وہ اپنے کسی فعل پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے"۔

یہ آیت متقی لوگوں کی ایک اور قسم سے آشنا کرتی ہے۔ ہاں وہ لوگ جن کے اندر اچانک گناہوں کا احساس بیدار ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں کی دھڑکنوں میں حقیقی محبت اور شعور اللہ کا ذکر بن کر دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ اللہ کا ذکر ان میں درویشی اور بے خویشی پیدا کر دیتا ہے۔ وہ پوری نیاز مندی اور خاکساری سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگ جاتے ہیں، یہاں پہنچ کر ان کی پشیمانی اور ندامت عرفان ذات بن جاتی ہے اور ان کی توبہ انہیں مردِ حیات بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ میں کلہاڑا لے کر لات ومنات کو کرچی کرچی کر دیتے ہیں، گناہوں سے انہیں نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ "زہر مہرہ" کی طرح اندر کا زہر چوس لیتے ہیں۔ صفائی کا عمل انہیں کار آمد انسان بنا دیتا ہے، ایسے لوگ ہی پھر حق کے مخلص اور سچ کے مرید بن جاتے ہیں۔ علم وعقل کی ہر قسم ان کا تجربہ بن جاتی ہے۔ ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر حرف شعلۂ نور بن جاتا ہے، پھر اللہ امیدیں نویدیں ان کے داماں سے وابستہ کر دیتا ہے۔ پہلے وہ خود جلتے ہیں پھر وہ جلنے سڑنے کے داعی بن جاتے ہیں۔ نفرتوں پر انہیں ضد کرنا نہیں آتا اور گناہوں پر اصرار کے مسلک سے وہ دامن کش ہو جاتے ہیں۔ وہ دانا قسم کے دیوانے بن جاتے ہیں۔ وہ اس راہ میں "يَعْلَمُوْنَ" کی منزل پا لیتے ہیں۔ ان کے دل میں اللہ کا ذکر حسن کے رنگ برنگ میلے رچانے لگ جاتا ہے۔ مجھ سے قسم لے لو ایسے ہی ہوتا ہے۔

نہ خلوت میں بھی رہ سکے ہم اکیلے
کہ دل میں لگے ہیں حسن والے کے میلے

فاحشہ اور ظلم میں فرق

ہر وہ گناہ جس میں قباحت اور ارتکاب کی انتہا ہو اور بے حیائی حد سے بڑھ جائے وہ فاحشہ ہوتا ہے اور ظلم کا اطلاق ہر قسم کے گناہ پر ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبائر فاحشہ ہوتے ہیں اور صغائر ظلم ہوتے ہیں اور بیضاوی نے لکھا کہ جو گناہ متعدی ہو یعنی مرتکبین کے علاوہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچائے وہ فاحشہ ہوتا ہے اور جو متعدی نہ ہو اسے ظلم کہہ دیتے ہیں۔ ابن طقطقی نے لکھا کہ جنسی اور اقتصادی گناہ فحاشی ہوتے ہیں اور دوسرے گناہ ظلم کہلاتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ جن گناہوں پر اصرار اور تکرار ہو وہ فاحشہ ہوتے ہیں اور وہ گناہ جن پر اعادہ نہ ہو وہ ظلم کہلاتے ہیں(475)۔

روح البیان کی دلچسپ روایت

عطاف بن خالد کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی کہ اس آیت کا جب نزول ہوا شیطان چیخا، پیٹا، سر پر مٹی ڈالی اور واویلا مچایا اور اپنے لشکریوں کو بلا لیا۔ انہوں نے پوچھا ہمارے آقا کو کیا مصیبت پہنچ گئی کہ وہ چیخ رہے ہیں؟ کہا قرآن میں ایسی آیت اتر گئی ہے کہ اب تو کوئی گناہ کسی کو مضر نہیں ہوگا وہ توبہ کر کے متقی بن جائے گا اور پھر یہ آیت انہیں بتائی۔ انہوں نے شیطان کو تسلی دی کہ ہم خواہشات کے دروازے ان پر کھول دیں گے وہ توبہ نہیں کر پائیں گے، شیطان اپنے شاگردوں کی بات سن کر مطمئن ہو گیا(476)۔

"يَعْلَمُوْنَ" پر خازن کی خوبصورت باتیں

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ" کا

مطلب یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ گناہ کا کام ہے(477)۔

☆ اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ مغفرت ذنوب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

☆ تیسرا نکتہ فہم کا یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ گناہوں کا معاف کرنا اللہ پر بھاری نہیں ہے خواہ گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔

☆ چوتھا نکتہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اگر اللہ سے معافی مانگی تو اللہ ضرور انہیں معاف فرمادے گا(478)۔

اسی ترتیب سے مفاہیم میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ کا ذکر ہر مصیبت سے نجات کا وسیلہ ہے۔

اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ کا ذکر بذات خود مغفرتِ ذنوب کا ذریعہ ہے۔

اور وہ جانتے ہیں کہ جہاں علم آجائے وہاں جہالت اصرار نہیں رہتی

اور وہ جانتے ہیں کہ خرابی کی جڑ ضد اور ڈھٹائی ہے۔

أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی جزا اُن کے ربّ کی طرف سے بخشش کی صورت میں ہوتی ہے اور ان کے لیے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہوں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی خوب ہوتا ہے''۔

آیت کا عمود عاملین کی جزا ہے۔آیات باری میں متقین، محسنین، مستغفرین اور عاملین کو گلاب کی پتیوں کی طرح باہم مربوط بیان کیا گیا ہے اور صاف کہہ دیا گیا ہے کہ مغفرت، بہشت کے باغات، خلود اور جمالیاتی کیفیات عاملین کے لیے ہیں اور عاملین سے مراد وہی محنتی لوگ ہیں جن میں تقویٰ کی صفت ہو، احسان کا رنگ ہو اور استغفار کا رویہ ہو۔

مزے کی بات یہ ہے کہ گناہوں کی معافی مانگنے پر معافی کا مژدہ ہی نہیں سنایا جاتا بلکہ معافی مانگنے کو بذات خود قابلِ جزا عمل قرار دیا جاتا ہے۔آیت میں معنوی اور روحانی نعمتوں کا بیان جمالیاتی اسلوب میں عمل صالح کی حرص اور تڑپ پیدا کرتا ہے اور آیت کے آخر میں ''وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَٰمِلِينَ'' اسلام کے مزاج کی عکاسی کرتا ہے کہ یہاں سست، غافل، بے کار اور درماندہ عمل لوگوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی ہے۔اسلام تو عمل کرنے والے جفا خُو اور خارا شگافی کے خوگر لوگوں کو ہمت عطا کرتا ہے کہ جنتیں تمہارے نام ہیں۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

وہ لوگ جو زندگی کو محض سانسوں کا مہمان سمجھتے ہیں، وہ بجلیوں کی طرح لہکتے مہکتے موج محبت ہو کر عرش عشق تک رسائی پالیتے ہیں۔اسی مقام خودی پر انہیں ''معطی لاشریک له'' آسمانی تحفہ فرش زمیں پر نصیب فرمادیتا ہے۔

اللہ اللہ اللہ

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾

''تم سے پہلے گزرے ہوئے کتنے ہی لوگوں کے آثار موجود ہیں، زمین میں ذرا گھوم کر دیکھو تو سہی کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا ہے''۔

آیت میں پانچ چیزیں قابل غور ہیں:

☆ پہلی خلیہ اور خلت کا مفہوم کیا ہے؟

☆ دوسری چیز سنن لفظ میں غور ہے۔

☆ تیسری چیز''سیر فی الارض'' سے مراد کیا ہے؟

☆ چوتھی چیز عبرت گیری ہے۔

☆ اور پانچویں چیز مکذبین کا انجام ہے۔

''خَلَتْ''لفظ''الخلیة'' سے ہے۔یہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو اکیلی رہ جائے اور اس کے بچے کو ذبح کردیا جائے یا بچہ کے گم ہوجانے کی صورت میں اونٹنی تنہا ہوجائے۔

تہذیب اللغہ نے لکھا کہ اونٹنی کا دودھ زیادہ کرنے کی خاطر اس کے بچے کو ذبح کردیا جاتا ہے(479)۔

اس لفظ سے تاریخی تفردات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تم تھوڑی دیر کے لیے حال سے کٹ کر ماضی سے مربوط ہو اور دیکھو کہ اقوام عالم جو ازمنہ ماضی میں گزر چکی ہیں ان کے اندر اسباق ہیں، تعلیمات ہیں، امانتیں ہیں اور عبرتیں ہیں جن سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔تاریخ ہر قوم کے لیے آب حیات کا چشمہ ثابت ہوسکتی ہے۔قرآن حکیم اپنے قاری کی انگلی پکڑ کر اسے گم گشتہ ماضی کی طرف بڑھاتا ہے اور مختلف انسانی معاشروں کا روحانی اور معنوی مطالعہ کرنے کی تحریص دلاتا ہے۔

آیت میں قرآنی اسلوب کی ہدایت اور روشنی ملاحظہ ہو۔یہ ایک فنی تصویر ہے جس کو غور سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ایسے جیسے تاریخ ایک بڑا سرمایہ ہے اور وہ ایک اونٹنی کی پیٹھ پر لادا ہوا ہے اور وہ اونٹنی تیزی سے بھاگ جاتی ہے اور آنکھوں سے اوجھل ہوجاتی ہے۔قرآن قافلے والوں کو بیدار کرتا ہے اور تیزی کے ساتھ زمانے کی بھاگتی اونٹنی پر لادا ہوا سرمایہ واپس لینے کی تحریص دلاتا ہے۔خوش بخت وہ لوگ ہوتے ہیں جو ماضی کے صحراؤں میں گم شدہ خزانوں کو تلاش کرلیتے ہیں اور انہیں اپنی حال اور مستقبل کی آرائش کے لیے استعمال میں لے آتے ہیں۔

''سُنَنٌ'' کی بحث

''سُنَنٌ ،سنه'' کی جمع ہے۔ایسا راستہ جو جاری ہو''سنه'' کہلاتا ہے۔اساسی لغت میں پانی کا مسلسل گرانا''سنه'' ہوتا ہے(480)۔علامہ فخرالدین رازی نے اس کا معنیٰ''سنن الرمح'' لکھا ہے یعنی نیزے کا پھل لگانا۔عمر رسیدہ ہونا بھی اس لفظ کے مادے میں سمویا ہوتا ہے(481)۔''حما مسنون'' کا معنیٰ ہوتا ہے جو مٹی پتھر کو پتھر کے ساتھ رگڑنے سے گھس کر گرتی ہے۔ظاہر ہے رگڑے جانے والے پتھروں پر پانی بھی ڈالا جاتا ہے۔اس عمل سے تین تصورات پیدا ہوتے ہیں: ایک دوسرے کے ساتھ ملنا، پھر مل کر باہم رگڑ سے گرمی پیدا ہونا، پانی اور مٹی کی آمیزش سے بننے

والا کیچڑ دار اور لیس دار آمیزہ اور عمل مسلسل سے گرنے والی مٹی کا پرانا ہونا (482)۔ چہرے کے خوبصورت اور نمایاں حصہ کو بھی "السنہ" کہہ دیتے ہیں۔ دستور اور قانون بھی "سنہ" ہی ہوتا ہے۔ سنت کا معنیٰ مسلک اور طریقہ بھی لکھا گیا ہے (483)۔ پرانے طور طریقے اور مشرب اور تاریخی حقائق بھی "سُنَنٌ" ہی کہلائیں گے۔ ابن فارس نے لکھا کہ کسی چیز کا جاری رہنا اور سہولت کے ساتھ یکے بعد دیگرے اس کا نمودار ہوتے رہنا سنت کہلاتا ہے (484)۔ فخر الدین رازی نے صحیح لکھا اب سنت لفظ رسول اکرم ﷺ کے افعال کے ساتھ خاص ہوگیا ہے (485)۔

علامہ بغوی نے "سنہ" کا معنیٰ اُمت بھی کیا ہے۔ اس طرح آیت کا مفہوم یہ بھی ہو سکے گا کہ تم سے پہلے مختلف امتیں ہو گزری ہیں (486)۔ مفسرین میں سے مجاہد بھی "سُنَنٌ" کا معنیٰ امتیں ہی کرتے تھے (487)۔

"فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ" کا مفہوم

"فَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ" سے مراد زمین میں عبرت گیری کے لیے جانا ہے اور اس کے مختلف خطوں میں قدیم ادوار کے مذہبی روحانی اور تہذیبی آثار کا مشاہدہ ہے۔ قومیں بنیں کیسے اور وہ زوال کا شکار کیوں ہوئیں لکھی ہوئی تاریخ سے زیادہ زندہ تاریخ کا زمین میں مطالعہِ آثار ہے۔ اس زمین پر طوفانِ نوح کے آثار بھی ہیں اور عاد وثمود کے کھنڈرات بھی ہیں۔ ستمگروں کے محلات کی ویرانی بھی ہے اور اہرام مصر ایسی عمارتوں کی حیرت ناکیاں بھی ہیں۔ زمین میں چل پھر کر قوم سبا کے تمدنی نشانات کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے اور بابل کے برج سے نوحہ خوانوں کی آواز بھی سنی جا سکتی ہے۔ بے شک یہاں ابرہہ ایسے مغروروں کے سر پر ابابیلوں کے غول سنگ زنی کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں اور کربلاؤں کے مظلوموں کی داستان سے یزیدیوں کی مطلق العنانیاں اور چیرہ دستیاں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ بادشاہوں کی بڑبولیاں، شاعروں کی لن ترانیاں، خراباتیوں کی مست رانیاں اور بدکاروں کی ہیجان انگیزیاں سب کچھ صفحہِ زمین پر دیکھا جاسکتا ہے۔ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ سائنس دانوں کے لیے مریخ اور عطارد کے دروازوں پر دستک دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ انسانیت کا سارا سرمایہ زمین میں ہے۔ سیر اگر رات کے وقت چلنا ہوتا ہے تو لگتا یہ ہے کہ رات دن کا نظام بھی زمین پر ہی ہے۔

واللہ اعلم

"فَانۡظُرُوۡا" کا جلوہ

مفسرین نے سیر کا مقصد عبرت گیری متعین کیا ہے لیکن "فَانۡظُرُوۡا" کا لفظ اپنے ہی جلوے اور بے کرانیاں دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ کائنات اگر وسیع تر ہے تو نظروں کا جہاں اس سے بھی وسیع ہے۔ چھوٹی سی آنکھ میں بڑی سی کائنات سرمہ بنا کر پنہاں کی جاسکتی ہے۔ کائنات اور تکوین کی نوعانوعی دیکھنے والے کی آنکھ میں جو ظرف ہے اسے شکست نہیں دے سکتی۔ بے شک ربّ ربّ الافلاک ہے اور بندہ کفِ خاک ہے لیکن اسی خاکی جہاں میں بوترابیوں کا عشق بھی تڑپ رہا ہے۔ کوئی اس سے کیسے بڑا ہوگا جو کائنات کا خالق ہے لیکن اس کی عطا دیکھو کہ خود کہہ رہا ہے کہ جنت میں میرا دیدار ہوگا۔ میں اس پر صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جلوہ دکھلانے کے لیے وہ چھوٹا نہیں ہوگا آنکھیں عطا کے جلووں سے بڑی بہت ہوجائیں گی، اس لیے کہ بڑے کی زیارت کرنے لگ جائیں گی۔ قرآن نے سیر کے لیے زمین کو خاص کر دیا کہ "حسن و جمال" کا نوری پیکر اللہ نے زمین پر رکھا اور پھر دعوت دی زمین میں چل پھر کر دیکھو، ٹٹولو، مشاہدہ کرو، اس لیے کہ مشاہدے کی توفیق ہوجائے تو فوراً دیکھو اس لئے کہ نظروں کی توفیق اور معراج ادا ہی ہوتی ہے قضا نہیں ہوتی۔ یہ منزل اگر روح میں آجائے تو جھوٹوں، کوڑوں اور جھٹلانے والوں کی فریب نفسیاں سمجھنی مشکل نہیں رہتیں۔ اس آیت میں قرآن مجید راہ سے پہلے منزل کی فکر عطا کر دیتا ہے۔

فَانۡظُرُوۡا

اللہ اللہ اللہ

زمین کا بوجھ

اعمال میں جیسے تفاضل ہوتا ہے ایسے ہی جرائم میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ بلاشبہ انسان خدا کا نفس ناطقہ نہیں ہوتا کہ اللہ کی باتوں کی تفسیریں کرتا پھرے لیکن خدا بھی نزول وحی اور بیان کتاب کے لیے انتخاب نوع بشر ہی سے کرتا ہے، یہاں اس آیت میں قرآن نے ایک بڑا اور کریہہ جرم بتایا ہے، ایسا جرم جو جرم اور گناہ سے بڑا جرم اور گناہ ہوتا ہے، وہ اللہ کے پیاروں کو جھٹلانا ہے۔ جمالیات کی تاریخ میں کُوڑوں اور جھوٹ کے معاونین کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے، اسی لیے تو اس آیت میں سنت والوں اور سیر والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دیکھو لو مکذبین کی عاقبت کیسی رہی۔

خازن کے الفاظ خوبصورت ہیں:

"پہلے لوگوں کے احوال سے آگاہی ضروری ہے اس لیے کہ ارضِ امتحان میں قدم رکھنے والے نو وارد لوگوں کو پتہ چل جائے کہ مکذبین کی راہ چلنے سے وہ گریز کریں، اس لیے کہ یہ تباہی اور ہلاکت کا راستہ ہے۔ جمالیاتی دعوات پر لبیک نہ کہنے والے مکذبین زمین کا بوجھ ہیں۔ وہ شخص جو اپنے ہی دل کی دھڑکنوں سے منافقت کرے اس کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے جیسے مکذبین کا انجام ہوتا ہے"۔

حوالہ جات

(454) مفاتیح الغیب: رازی
(455) تفسیر القرآن: ابوالسعو دایضاً خازن
(456) تفسیر خازن
(457) تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی
(458) تفسیر مظہری: پانی پتی
(459) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(460) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(461) الجامع لاحکام: قرطبی
(462) تفسیر مظہری: پانی پتی
(463) تفسیر خازن
(464) المنجد: تاج ایضاً لسان ایضاً آلوسی ایضاً قرطبی
(465) تاج العروس: زبیدی حنفی

بقیہ صفحہ 13 پر

عَلِيٌّ مِنّي وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ

حافظ سخی احمد

عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:
عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ

اللہ رب العالمین، مالکِ لم یزل اور معبود وحدہ لاشریک لہ نے اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو وجہِ تخلیقِ کائنات قرار دیا، پھر حضور خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین کی ادائیں اور ان اداؤں کی اتباع کو ہی اپنی رضا کا ذریعہ بنایا۔

سورۂ ال عمران میں ارشاد فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (31)

جو رسول اللہ ﷺ کے جتنا قریب ہوا وہ اتنا ہی بامرتبہ اور باکمال ٹھہرا۔

جس کپڑے کو لمسِ دستِ رسول کی سعادت ملی۔ اسے آگ میں ڈالا جائے تو وہ ہر میل کچیل سے صاف ہو جاتا۔

جس جگہ کو بدنِ حبیب خدا کا بوسہ لینے کی عظمت ملی وہ عرشِ اعظم سے بھی افضل قرار پایا۔

اُنگشتِ مُبارک سے جو پانی جاری ہوا وہ آبِ کوثر سے بھی زیادہ فضیلت مآب ہوا۔

جس نے ایک نظر فقط ایک ہی نظر محبت وتسلیم سے محبوب رب العالمین کی زیارت کی وہ تمام اُمتوں کے اغیاث سے افضل ومکرم ہوا۔

سوچتا ہوں! اور سوچنا بھی چاہیے، سب اہل ایمان کو سوچنا چاہیے بلکہ ساری اُمت کو سوچنا چاہیے۔

بلکہ سمجھنا چاہیے اور سمجھ کر دل کی مسندِ محبت پر عقیدہ بنا کر عقیدت سے سجانا چاہیے

کہ اُس ہستی کا مقام کیا ہوگا!!

جسے رسول اللہ ﷺ محبت سے دیکھتے ہوں

اتنی محبت سے دیکھتے کہ اپنے غلاموں کو، اپنے اصحاب کو بھی حکم دیتے کہ تم بھی اُسی کو دیکھو کہ جس کو دیکھنے سے مجھے خوشی ہوتی ہے

اُس کو تکتے رہو کہ یہ بھی عبادت ہے

جس کو دیکھنے کی رسول اللہ ﷺ کے دل میں اتنی محبت ہوتی کہ آپ دُعا کرتے کہ اے اللہ! وصل واجل کی گھڑیاں اُس وقت تک مؤخر کردے جب تک میں اپنے دلبر اور محبوب علی کو نہ دیکھ لوں۔ دعائے رسول پاک ہے:

اللّٰهُمَّ لَا تُمِتْنِي حَتّٰى تُرِيَنِي عَلِيًّا (سنن الترمذي)

یہ سوال محبت بنتا تو ہے۔۔۔۔۔۔ کہ جو اللہ کے محبوب کی اک بار ایمان وتسلیم سے زیارت کرلے۔ اُس کے مقام ورُتبے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا تو جس کو دیکھنے کی تمنا اور آرزو خود مصطفیٰ کریم ﷺ کریں تو اُس کی شان کو کون پہنچ پائے!!

جو اک بار بھی زیارت کرے اُس سے بغض وعداوت نا قابل معافی ہے

اور جس نے آنکھیں بھی مصطفیٰ کریم ﷺ کی گود میں کھولی ہوں

پرورش بھی سینۂ الم نشرح پر پائی ہوئی

جس کے چہرے پر نظر کو رسول اللہ ﷺ خود عبادت قرار دیں

اور جس کو دیکھنے کی دُعا کریں

اُس علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بغض وعداوت کا انجام کیا ہوگا؟؟

''عَلِيٌّ مِنِّي''

ایک ایسی ہی صدائے محبت ہے، جس کی بازگشت دبائی نہیں جاسکتی

اس اعلان کو مدہم کرنے کی زمانے نے بہت کوششیں کیں

اور بہت سی کوششیں جاری بھی ہیں

مگر ہر گزرتے لمحہ اور لحظہ کے ساتھ علی علی، دم دم علی علی اور حیدر حیدر کے نعروں میں قوت وشدت پیدا ہوتی رہی ہے

کیونکہ یہ ادائے محبوب رب العالمین ہے۔

اس ادائے محبت "عَلِيٌّ مِنِّي" کا راوی کون کون ہے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تاجدار انبیاء ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ یہی روایت کرتے ہیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقا کریم سید الانبیاء والمرسلین نے یہی فرمایا:

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے خود اپنے کانوں سے لسان رسول علیہ الصلوۃ والسلام سے یہ اعلان سماعت کیا

حضرت اُسامہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی اُن میں شامل ہوں جو خاتم النبیین آقا ﷺ سے یہ روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے یہ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی اس ادائے دلربائی کے راویوں میں شامل ہیں۔

حضرت ابورافع اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''عَلِيٌّ مِنِّي'' کا فرمان رسول سُن کر تو جبرائیل بھی وجد میں آ گیا تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ میدانِ اُحد سے اسی فرمان کو روایت کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی آوازۂ حق کے داعی ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھی یہی تلقین فرمائی تھی۔

حضرت امام حسن المجتبیٰ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، یحییٰ ابن آدم، حضرت زید بن یثیع رضی اللہ عنہم سب ”عَلِیٌّ مِنِّی“ کے گواہ ہیں۔

خود مولا مشکل کشا بیان کرتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے مجھے بھی کئی بار فرمایا:

”علی تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں“

”عَلِیٌّ مِنِّی“ اک ایسا مضبوط حوالہ ہے جسے بخاری سے لے کر ترمذی تک
امام نسائی سے لے کر امام حاکم تک
مسند احمد سے لے کر مصنف ابن ابی شیبہ تک
طبرانی سے لے کر امام بیہقی تک
سب کے سب ”عَلِیٌّ مِنِّی“ سے اپنے گلدستۂ فرامینِ رسول کو سجاتے رہے ہیں۔

”عَلِیٌّ مِنِّی“ اک ایسی بات ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اتنی کثرت سے فرمائی کہ شاید بابِ مناقب میں کوئی اور بات اتنی بار نہ دہرائی گئی ہو اور نہ ہی کسی اور کے بارے میں ایسی بات کو دہرایا گیا ہو۔

ایک ہی ہستی کے بارے ایک ہی بات کو اتنی بار دہرائے جانے کا بنیادی مقصد یہ سبق اُمت کو ازبر یاد کروانا تھا۔

عَلِیٌّ مِنِّی ۔۔۔۔۔۔ کا وعظ رحمت للعالمین آقا ﷺ نے خطبوں میں فرمایا
عَلِیٌّ مِنِّی ۔۔۔۔۔۔ کا اعلان مجمع عام فرمایا
عَلِیٌّ مِنِّی ۔۔۔۔۔۔ جنگ میں پکارا اور امن میں بھی فرمایا
کبھی نام علی لے کر کہا اور کبھی حاضر کی ضمیر کے ساتھ مولا علی سے مخاطب ہو کر کہا
کبھی نام حالت رفع میں ”عَلِیٌّ“ کہا اور کبھی حالتِ نصب میں ”عَلِیًّا“ کہا
کبھی غائب کی ضمیر ”ھو“ سے فرمایا اور کبھی ”اِنَّ“ کی تاکید سے توجہ دلائی
کبھی چہرۂ والضحیٰ پر جلال اور لہجہ میں رُعب و شہامت کا غلبہ ہوا تو ”عَلِیٌّ مِنِّی“ کہا
اور کبھی تاجدارِ انبیاء ﷺ نے پُر جمال انداز میں ”عَلِیٌّ مِنِّی“ سے اظہار محبت فرمایا
مکۃ المکرمۃ میں بھی ”عَلِیٌّ مِنِّی“ کہا اور مدینہ پاک کی پاک فضائیں بھی ”عَلِیٌّ مِنِّی“ کی صدائے کرم سے گونجتی رہیں
یہی بات فرماتے ہوئے آقائے کریم ﷺ نے کبھی اپنا ذکر مقدم کیا
اور کبھی اپنے پیارے علی کا نام پہلے لیا
کبھی عقیدہ بنا کر سمجھایا اور کبھی عقیدت کا سبق اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں بسایا
اسی لیے قیامت تک سچے غلامانِ رسول کے لیے ”عَلِیٌّ مِنِّی“ عقیدہ بھی اور عقیدت کا عرشِ اعلیٰ بھی

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ جانِ عالمین، رحمۃ اللعالمین آقا ﷺ نے اسی اندازِ محبت سے چند دیگر چاہنے والوں کو بھی نوازا ہے

”اَلْعَبَّاسُ مِنِّی وَاَنَا مِنْہُ“ حضور نبی کریم ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ محبت کا والہانہ اظہار ہے۔

حضرت جلیبیب کی شہادت اور شجاعت کو ”ھٰذَا مِنِّی وَاَنَا مِنْہُ“ سے نوازنا بے مثال تمغۂ شجاعت ہے۔

اشعریوں کے بارے یہ انداز ان کی والہانہ اتباعِ رسول کے جذبے کی قدر دانی ہے

”حَسَنٌ مِنِّی اور حُسَیْنٌ مِنِّی“ ۔۔۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بیٹوں اور جنت کے سرداروں کی عظمتوں اور رفعتوں کی دلیل ہے

مگر یہ خاصۂ مولا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ہی ہے کہ نبیٔ محتشم ﷺ نے متعدد بار اسی بات کو بیان فرمایا۔

اسی لیے تو علامہ ابن شاہین مسلک و مذہب اہلسنت کی وضاحت کرتے ہوئے ”شرح مذاهب أهل السنة ومعرفة شرائع الدين والتمسك بالسنن“ میں لکھتے ہیں:

تَفَرَّدَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ بِهٰذِهِ الْفَضِيلَةِ، لَمْ يَشْرَكْهُ فِيهَا أَحَدٌ

”اس فضیلت میں مولا علی ابن ابی طالب منفرد ہیں اور اس فضیلت میں کوئی بھی اُن کا شریک نہیں ہے“۔

”عَلِیٌّ مِنِّی“ کی تفہیم اور تعظیم میں یہ چند شکستہ حال حروف اللہ رب العالمین قبول فرمائے اور مولا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی نگاہِ شفقت عطا ہو جائے۔

بقیہ: ”تبصرہ تذکرہ“

(466) المفردات: راغب و بیضاوی
(467) معانی القرآن: مبرّد
(468) تفسیر القرآن: خازن
(469) تفسیر مظہری: پانی پتی
(470) درالمنثور: سیوطی
(471) نجوم الفرقان: بھتر الوی
(472) المحرر الوجیز: ابن عطیہ
(473) تفسیر کبیر: فخر رازی
(474) الجامع لاحکام: قرطبی ایضاً روح ایضاً الشامل
(475) انوار التنزیل: بیضاوی ایضاً تفسیر کبیر ایضاً قرطبی ایضاً وھبہ ایضاً جامع البیان
(476) روح البیان: اسماعیل حقی
(477) تفسیر خازن: خازن
(478) تفسیر خازن: خازن
(479) تاج: زبیدی ایضاً تہذیب اللغہ ایضاً لسان ایضاً واحدی
(480) المفردات: راغب اصفہانی
(481) تفسیر کبیر: فخر الدین رازی
(482) تاج العروس: زبیدی حنفی
(483) لسان العرب: ابن منظور ایضاً قرطبی ایضاً ابن عاشور ایضاً رازی
(484) التحقیق: مصطفوی
(485) تفسیر کبیر: رازی
(486) معالم التنزیل: بغوی
(487) درالمنثور: سیوطی

تصورِ حکمت، مفہوم و مطالب

محمد شریف سیالوی مرحوم

قرآن مجید کا عظیم اعجاز اس کا اسلوب بیان ہے۔ عرب کا وہ معاشرہ جن میں افصح الفصحاء اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ جنہوں نے اپنی فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان وکلام کی بنیاد پر پوری دنیا کو عجم ''گونگا'' کہہ کر ٹھکرا دیا، قرآن مجید نے اپنی معجز بیانی اور کلام ربانی ہونے پر انہیں کھلا چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

فاتوا بسورة من مثله

''تم اس کی مثل ایک سورت ہی بنا کر لاؤ''۔

کلام خداوندی کے سامنے ان کے عجز اور درماندگی کو کھول کر بیان کیا کہ:

اے لوگو! تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے خواہ تم اپنے پہلے اور اگلوں کو جمع کر لو تاکہ برہان قرآنی کے مقابلہ میں کوئی دلیل لا سکو۔ جب ایسا ممکن نہیں تو تقاضائے دانش وحکمت یہی ہے کہ ''تم اس آگ سے ڈرو، جس کا ایندھن پتھر اور لوگ ہوں گے''۔

قرآن مجید کا ایک ایک کلمہ معانی و محاسن کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ جس قدر معنوی گہرائی میں چلے جائیں، علم وحکمت اور دانش وبینش کے انمول جواہر تک رسائی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ایک سے ایک یگانہ اور حسن وخوبی میں درّ بے مثال۔

آیئے!

قرآن مجید میں وارد کلمہ ''حکمة'' کی لغوی اور معنوی تحلیل وتجزیہ کے بعد اس کی وسعت وجامعیت، گہرائی وگیرائی کا جائزہ لیں۔

لغة عرب میں حکمت ''المنع للاصلاح'' سے عبارت ہے۔ اپنے نفس کو ہر اس چیز سے روکنا جو مضر ثابت ہو سکے۔ ''احکام'' لغوی اعتبار سے لفظ حکمت کے قریب ہے۔ اہل عرب جب گھوڑے کو لگام ڈالتے تو اسے ''احکام'' سے تعبیر کرتے تھے۔ حکمت کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ جیسے ''حکمة'' میں نفس کو خواہشات اور مضرات سے باز رکھنے اور قابو میں لانے کے معنیٰ ہیں۔ وہاں ''احکام'' لغوی اعتبار سے گھوڑے کو سرکشی سے باز رکھنے اور روکنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکہ کی ہجو میں کہتے ہیں:

ونحکم بالقوا فی من هجانا ونضرب
حين تختلط الدماء

اک شاعر دشمن قبیلہ کی مذمت کرتے ہوئے یوں کہتا ہے:

ابنی حنيفة احكموا اسفهاء كم

احکم اس مفہوم کے اعتبار سے ''مضبوطی'' اور ''قطعیت'' کے معنی کو شامل ہے۔ ''ایات محکمات'' سے مراد وہ آیات ہیں جو صریح المعنی اور قطعی المراد ہیں۔ یوں ''حکمۃ'' اور ''محکم'' دونوں ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ ''حکم'' جو Order کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنی قطعیت، غیر متبدل اور واجب العمل ہونے کے اعتبار سے ''حکمت'' کے مرادف ہے۔ ''حکم'' کا فیصلہ فریقین مقدمہ کے لیے قطعی ہوتا ہے۔ یوں ''حکم'' فیصلہ کرنے والے کے مفہوم میں ''حکمت'' کو متضمن ہے۔ عمومی لحاظ سے یہ جملہ مرادفاتِ حکمت میں علم کے معنی لازمی پائے جاتے ہیں۔

اس لغوی اور معنوی تحلیل سے ان جملہ کلمات میں قدر مشترک قطعی ہونا ہے، جو غایۃ علم اور یقین کا پتہ دینے کے ساتھ مضرات سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

قرآن مجید میں یہ کلمہ کئی آیات میں وارد ہوا ہے۔ مثلاً

واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما اتيتكم من كتاب و حكمة ۔ وانزلنا عليك الكتب والحكمة ۔لقد من الله على المومنين اذا بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة ۔ يوتى الحكمة من يشاء ومن يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا۔ واتينا لقمان الحكمة ان اشكر لى۔ لا يومنون حتىٰ يحكموك فيما شجر بينهم ۔ ان الحكم الا الله ۔ ايات محكمات هن ام الكتب ۔ فابعثوا حكما من اهله ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة۔

حکمت کی لغوی بحث کے سیاق میں قرآن مجید کی ان آیات سے بنیادی طور پر جس حکمت کی طرف اشارہ ملتا ہے وہ خاصہ ہے انبیاء کا۔ عقلِ انسانی کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ علم وعرفان کی وہ اعلیٰ قسم ہے جو ادراکات بشری سے ماورا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے صفائے قلب اور صفاتِ قدسیہ کی بنا پر انہیں اس فیضانِ علم وعرفان کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ عقل وادراک اور حواس کی بجائے باطنی ذرائع سے عرفان کی یہ نوع ان مقدس اور برگزیدہ بندوں کے سینوں میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ خزینہ حکمت جو وحی متلو یعنی قرآن اور غیر متلو یعنی سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ ظاہر وباطن، معاش ومعاد، روح ومادہ، اصلاح فرد اور فلاح معاشرہ کی قطعی، حتمی اور نا قابلِ تردید ضمانت دیتا ہے۔ (حکمت) اس حکیم کی جانب سے ہے جو خالقِ کائنات ہے۔ جس کی قلمرو میں بحر وبر اور عرش وفرش کی تمام تر وسعتیں، حکومت وحاکمیت

جیسے مسلم ہے اور جس کا ہر فعل حکمت و دانش پر مبنی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''الکتاب'' سے مراد قرآن مجید اور ''الحکمۃ'' سے مراد ''سنت مصطفیٰ ﷺ'' ہے۔

حکمت کی دوسری قسم جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں اور اس میں عقل انسانی دو حصوں میں منقسم ہے:

(1) حکمت نظری (2) حکمت عملی

ابن عربی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

معنی حکمت بجز علم کچھ نہیں اور معنی علم سوائے عقل کچھ نہیں، البتہ حکمت میں علم کے معنیٰ کے علاوہ نتائج اور ثمرات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔علم کا ثمر ہے اس کے مطابق عمل کرنا، تصرفات میں اسے حکم بنانا اور تمام اقوال وافعال میں اس کے مطابق چلنا''۔

لغوی اعتبار سے عقل کے معنی نکیل ڈالنے کے ہیں جس سے اونٹ کو قابو کیا جا سکتا ہے۔''احکام'' اور ''عقل'' لغوی اعتبار سے صرف اس قدر مختلف ہیں کہ اول الذکر گھوڑے کو کنٹرول کرنے کے لیے ہے اور موخر الذکر اونٹ کو، لیکن بایں ہمہ دونوں سے مراد نفسِ انسانی ہے، جسے خواہشات کے منہ زور گھوڑے اور اونٹ کا سا کینہ اور غیظ وغضب، خطرات اور مضرات میں دھکیل دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ''حکمت'' اور ''عقل'' وہ قوتیں عطا فرمائی ہیں جو اسے نفس کی سرکشی اور خواہشات کی پیروی سے باز رکھتی ہیں۔کامل ایمان کی علامت یہی ہے کہ سفلی جذبات اور ہوائے نفس کو قابو میں رکھا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میرے دین کے تابع نہ کردے''۔

اس سے اسلام میں حکمت اور عقل کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔دوسرا ''حکمت'' اور ''عقل'' دونوں علم کی بنیاد پر استوار ہیں۔فکر ونظر جو حکمت کی حقیقت اور ذات ہیں۔قرآن مجید کا خاص موضوع ہیں۔سینکڑوں آیات ''آفاق و انفس'' میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔

گردشِ لیل ونہار، شمس وقمر اور کواکب وانجم سے سجی محفل سماء، زمین اور اس کی سرسبز وشاداب وادیاں، کوہسار کی بلندیاں اور سمندر کی پہنائیاں، سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں اور گنگناتی ندیاں، باغات میں مسکراتی کلیاں اور چٹختے غنچے، طائرانِ صبح گاہی اور مرغانِ خوش نوا، یہ سب عظیم خدا کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

جب انسان صفحۂ ہستی اور گلشنِ گیتی کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے۔قدرتِ خداوندی اور اس کی حکمتِ کاملہ کا مشاہدہ کرتا ہے تو نگاہیں ایمان وایقان کی دولت سے بھر جاتی ہیں۔دل کی کائنات خدائے ذوالجلال کے ذکر سے معمور ہو جاتی ہے اور انسان جب خود میں ڈوب کر خود کو تلاش کرنے نکلتا ہے تو ''حکمت'' اسے عرفانِ نفس کی راہ دکھاتی ہے۔یہ وہ عظیم وظیفہ ہے۔جس کے بارے کہا گیا ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ

یہ ہے حکمت نظری جو خود شناسی اور خدا شناسی میں انسان کی راہبری کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔قرآن مجید کی انہی تعلیمات نے مسلمانوں کے لیے تحقیق وجستجو کی راہ ہموار کی۔اکتشاف وانکشاف اور کائنات کے سربستہ دفینوں اور خزینوں کو ظاہر کرنے کا حوصلہ اور جرات بخشی اور اسی فکر نے سائنسی علوم کی راہ دکھائی۔

غرض یہ کہ حکمتِ نظری کائنات کے اندر غور وفکر کرنے اور حقائق اشیاء تک رسائی کے لیے ایک فکری قوت سے عبارت ہے، جو علم وعرفان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو عمل میں لا کر خود آگاہ بھی بناتی ہے اور خدا آگاہ بھی۔

اس کے ساتھ یہ مت بھولیے کہ قرآن مجید حکمتِ نظری کے ساتھ حکمت عملیہ کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے محض فکر ونظر کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔قرآن مجید عمل کو بھی اتنا ہی اہم قرار دیتا ہے۔حکمت کی ہر دو نوع ایک دوسرے سے مل کر ایک کل بناتی ہیں۔ایمان وایمان حکمت نظری سے مل کر اخلاق کی تکمیل کرتے ہیں یوں حکمت عملی نتیجہ ہے حکمتِ نظری کا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راس الحکمۃ مخافۃ اللہ (سب سے بڑی دانائی خدا کا خوف ہے) کیونکہ اصلاح احوال اور تزکیہ نفس کی بنیاد خوف خدا ہے۔

حکمت عملی وہ استعداد ہے جس کے ذریعے انسان اخلاق فاضلہ سے مزین اور رذائل سے پاک ہوتا ہے۔اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، نفسِ انسانی کی تکمیل کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی اہمیت کا اظہار فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

''بے شک میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں''۔

کامل ایمان کی علامت یہی ہے کہ سفلی جذبات اور ہوائے نفس کو قابو میں رکھا جائے۔

حکمت عملی کا یہ پہلو انسان کی اپنی ذات سے ہے۔اس کی ایک دوسری نوع جس کی ہدایت قرآن مجید نے فرمائی۔وہ حکمت دعوت وارشاد ہے۔اس کا تعلق اجتماع اور معاشرہ کے ساتھ ہے۔

حکمت دعوت وہ اسلوب بیان وکلام ہے جو اپنی صداقت اور حقانیت کے اعتبار سے حکمت الٰہیہ سے مستنیر ہے اور مقتضائے حال کے مطابق، دعوت کے اصولوں میں سے ہے۔

کلموا الناس علی قدر عقولھم۔

''لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو''۔

حضور ختمی المرتبت رسالت مآب ﷺ کو اللہ رب العزت نے جوامع الکلم عطا فرمائے اور اپنی اُمت اور انسانیت کے لیے کمال رحمت وشفقت مرحمت فرمائی۔آپ ﷺ کے اسوہ میں دعوت اسلام کا منہج اور ارشاد وتلقین کی اعلیٰ مثالیں موجود ہیں۔اولیاء کرام اور صوفیائے عظام نے اس حکمتِ عملی کو خضرِ راہ بنایا، تو لاکھوں ضلالت وگمراہی میں بھٹکنے والوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔

قرآن مجید کی حکیمانہ تعلیمات پر مبنی ''حکمت'' وہ اصل الاصول ہے جو فکر ونظر، علم وعمل، ظاہر وباطن اور دین ودنیا کی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

شمائلِ رسول پر مبنی مکمل ترین حدیث

محمد بن علوی المالکی

سید العرب والعجم نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ کے کئی پہلوؤں کے بارے میں حدیثِ مشہور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہے جو انہوں نے اپنے والد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس حدیث میں انہوں نے احوالِ رسول ﷺ سے متعلق کئی پہلو واضح کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ لوگوں سے ان کا برتاؤ کیسا تھا اور وہ معاشرے میں کیسے رہتے بستے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ ہر صاحبِ فضیلت کی اس کے مطابق قدر کرتے تھے اور امت میں سے کوئی ایک حاجت رکھتا تھا، کوئی دو اور کوئی بہت سی حاجات و ضروریات رکھتا تھا، آپ ان کی حاجات پوری کرنے میں مشغول رہتے اور انہیں اس کام میں مشغول رکھتے جو ان کے لیے نفع بخش ہوتا اور انہیں ہر اس بات سے آگاہ فرماتے جو ان کے لائق ہوتی، جیسا کہ فرمایا:

”جو تم میں سے حاضر ہے وہ غیر موجود کو پہنچا دے اور مجھے اس شخص کی حاجت سے آگاہ کرو جو اسے مجھ تک نہیں پہنچا سکتا، کیوں کہ جس نے مجھ تک کسی ایسے حاجت مند کی حاجت پہنچائی جو خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ قیامت کو اسے ثابت قدم رکھے گا“۔

لوگ آپ کے پاس دین و دنیا کی منفعت حاصل کرنے کے لیے آتے اور با مراد با عزت لوٹتے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنے والد محترم علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے گفتگو کرنے کے بارے میں پوچھا کہ وہ کس طرح کلام کرتے تھے، حضرت علی نے فرمایا:

”رسولِ کریم ﷺ اپنی زبان مبارک کو روکے رکھتے تھے سوائے اس کے کہ کوئی مطلب کی بات ہو، لوگوں کو اپنے اخلاق و عادات سے باہم محبت و الفت کرنے پر ابھارتے اور انہیں کوئی ایسا کلمہ نہ کہتے جس سے ان میں نفرت و بیزاری پیدا ہو، ہر قوم کے سردار کی عزت کرتے تھے اور ہر قوم پر ان میں سے ہی امیر مقرر فرماتے، جو لوگ اسلام میں نئے نئے داخل ہوتے ان سے احتیاط برتتے، انہیں کوئی خاص بات نہ بتاتے اور کوئی اہم معاملہ ان کے سپرد نہ کرتے مگر ان سے خوش اخلاقی اور بہتر انداز سے ضرور ملتے، صحابہ کرام کا حال احوال دریافت فرماتے اور عامۃ الناس سے لوگوں کے حالات کے بارے میں پوچھتے، اچھی بات پر خوش ہوتے اور ستائش فرماتے، بری باتوں کو برا کہتے اور ان کے دور کرنے کی سعی فرماتے، آپ اپنے تمام اعمال و احوال میں راہِ اعتدال پر چلتے، خود غفلت میں نہ پڑتے کہ مبادا امت غفلت کا شکار ہو جائے، ہر حال کا پہلے سے سامان تیار رکھتے، نہ حق سے گھٹتے اور نہ اس سے تجاوز فرماتے۔

آپ کے قریب ترین لوگ، صالح ترین لوگ ہوتے تھے اور ان میں سے آپ کی نظر میں زیادہ صاحبِ فضیلت وہی ہوتا تھا جو عام لوگوں کی بھلائی چاہتا تھا اور آپ کے نزدیک وہی شخص صاحبِ مرتبہ تھا جو لوگوں کے دین دنیا کے کام آتا اور ان کے ساتھ مدارات سے پیش آتا“۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میں نے ان سے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم ﷺ کے بیٹھنے اٹھنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے مختلف مقامات کو اپنا وطن نہ بناتے اور ایسا کرنے سے منع فرماتے تھے۔ مجلس میں تشریف لاتے تو آخری حصے میں تشریف فرما ہوتے اور ایسا کرنے کا حکم دیتے، اپنے پاس بیٹھنے والوں میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ عطا فرماتے، آپ کے پاس بیٹھنے والوں کو کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ ان میں سے کوئی آپ کے نزدیک زیادہ معزز ہے۔

اگر کوئی آپ کی مجلس میں آپ سے کسی امر کے بارے میں بات چیت کرتا تو ہمیشہ آپ صبر کے ساتھ بیٹھے رہتے چاہے گفتگو کتنی بھی طویل ہوتی آپ صبر و سکون سے سنتے، درمیان میں قطع کلامی نہ فرماتے تا آنکہ بیٹھنے والا خود ہی آپ کی مجلس سے رخصت ہو جاتا۔ سائل کو کبھی رد نہ کرتے، اس کی حاجت پوری کر دیتے یا اسے نرم کلام سے جواب دے دیتے۔ لوگوں سے اس قدر کشادہ دلی و خوش خلقی سے پیش آتے۔

آپ کی مجلسِ اقدس میں لوگوں سے ہفوات و غلط حرکات سرزد نہ ہوتیں بلکہ وہ تقویٰ و تواضع جیسی فضیلت جیسی دولت سے مالا مال ہوتے، بڑوں کا ادب کرتے، چھوٹوں پر شفقت کرتے، ضرورت مند کی ضرورت پوری کرتے اور مسافر کو تحفظ دیتے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ہمیشہ اپنے ہم مجلس لوگوں کے ساتھ کیا رویہ ہوتا تھا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خندہ روئی، نرمی اور مہربانی سے پیش آتے، آپ بد اخلاق تھے اور نہ ترش رو، مجلس میں بلند آواز سے چیخ چیخ کر ہرگز نہ بولتے، کوئی برا کلمہ ادا نہ کرتے، کسی انسان، حیوان یا طعام میں عیب نہ نکالتے، کسی معاملے میں تنگی و دشواری پیدا نہ کرتے، دنیوی اشیاء کی تعریف میں مبالغہ نہ کرتے اور نہ بہت زیادہ ہنسی مذاق کرنے والے تھے۔ اگر کبھی کسی سے مجلس میں کوئی ایسی بات سرزد ہو جاتی جو آپ کو پسند نہ ہوتی تو اس سے تغافل برتتے، کسی نے آپ سے کوئی امید لگائی ہوتی تو اسے مایوس نہ کرتے۔

آپ نے تین چیزوں کو اپنے لیے متروک کر رکھا تھا: جھگڑا کرنا، کثرت طلبی اور لایعنی گفتگو۔ اسی طرح آپ نے کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کا عیب بیان کرتے اور نہ کسی کی شرمگاہ پر نظر ڈالتے، وہی کچھ بولتے جس کے لیے لوگ آپ سے عرض کرتے، بات کرتے تو سامعین خاموش ہوتے کہ جیسے ان میں جان ہی نہیں، آپ گفتگو ختم کر لیتے تو وہ بولتے اور کبھی آپ کی موجودگی میں کسی بات پر باہم اختلاف نہ کرتے۔ آپ کی مجلس میں جو شخص بولتا تو اس وقت تک نہ بولتے جب تک وہ شخص بات ختم نہ کر لیتا۔ آپ کی مجلس میں وہی شخص پہلے بولتا جو پہلے آیا ہوتا۔ جس بات پر اہلِ مجلس ہنستے آپ بھی ان کے ساتھ تبسم فرماتے اور جس بات پر وہ حیران ہوتے آپ اظہارِ حیرانگی فرماتے۔

آپ اجنبی لوگوں کے کھردرے سوالات کو خندہ پیشانی سے سنتے اور ان کا جواب دیتے اور آپ کے صحابہ اجنبی لوگوں کو آپ کی خدمت میں لے آتے تا کہ وہ سوالات کریں اور رسول اللہ ﷺ کے جوابات سے مستفید ہوں، آپ فرماتے تھے جب تم کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی ضرورت پوری کرنے میں اس کی مدد کرو، آپ صرف اس شخص سے اپنی تعریف کو قبول کر لیتے تھے جو تعریف میں افراط وتفریط سے کام نہ لیتا ہو، آپ کسی کی بات کو نہیں کاٹتے تھے۔ اگر کوئی گفتگو میں حد سے تجاوز کرتا تو اسے منع کر دیتے یا وہاں سے اٹھ جاتے۔

آپ اہلِ باطل کی حماقتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان کے اقوال کے ظاہر کو قبول کر لیتے تھے، اگرچہ ان کی باتوں سے ان کے مذموم عزائم کا پتہ چل رہا ہوتا، اسی ضمن میں ایک واقعہ ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا (تم پر ہلاکت ہو) تو حضرت عائشہ نے ان کے جواب میں علیکم السلام والعنۃ کہا (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے عائشہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا آپ نے نہیں سنا، انہوں نے کیا کہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"میں ان کو جواب دے چکا ہوں وعلیکم"۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

ریاض بوتراب ہے فروغ فکر الکتاب

ادارہ تعلیمات اسلامیہ اپنے قیام سے ہی فروغ فکر قرآن کے لیے سرگرم عمل ہے۔
اس کے سالانہ اجتماع کی نسبت سے چند حروف عجز

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

برستا اک سحاب ہے فروغ فکر الکتاب
چمن چمن گلاب ہے فروغ فکر الکتاب
فضائے خیر تاب ہے فروغ فکر الکتاب
شعور فتح باب ہے فروغ فکر الکتاب
بہار دیں مآب ہے فروغ فکر الکتاب
ریاض بوتراب ہے فروغ فکر الکتاب

مرے وطن میں خیر کی یہی تو اک امید ہے
کہ شب ستم فروغ میں سحر کی اب نوید ہے
بلا شبہ کتاب حق بقا کی شہ کلید ہے
پیام مستطاب ہے فروغ فکر الکتاب
بہار دیں مآب ہے فروغ فکر الکتاب
ریاض بوتراب ہے فروغ فکر الکتاب

شعور علم و آگہی بصیرتوں کی روشنی
ورق ورق ہے ندرتوں کی جدتوں کی روشنی
ورائے ذوق و جستجو عزیمتوں کی روشنی
برائے ہر زماں ہے یہ حقیقتوں کی روشنی
عظیم اکتساب ہے فروغ فکر الکتاب
بہار دیں مآب ہے فروغ فکر الکتاب
رباض بوتراب ہے فروغ فکر الکتاب

چلو چلو کہ معرکہ بپا ہے انتہاؤں کا
اٹھو اٹھو کے قحط ہے جہاں میں حق نواؤں کا
بڑھو کہ زور توڑ دیں جمود کے خداؤں کا
صدائے انقلاب ہے فروغ فکر الکتاب
بہار دیں مآب ہے فروغ فکر الکتاب
ریاض بوتراب ہے فروغ فکر الکتاب

سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں
تجارت اور اصول تجارت

تیسری قسط

پروفیسر ڈاکٹر محمد اظہر نعیم

غیر ملکی اسلامی تجارت

تجارت میں ترغیب کے ساتھ ساتھ اسلام تجارت کو دو بڑے حصوں میں بانٹتا ہے: ایک حلال تجارت اور دوسرا حرام تجارت۔ حرام تجارت میں سودی تجارت، شراب کی تجارت، سؤر کے گوشت وغیرہ کی تجارت شامل ہیں جبکہ سود، قمار، سٹے بازی اور دھوکا وغیرہ سے پاک تجارت کو حلال تجارت کہا جاتا ہے۔

مسلمان ممالک کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان تجارت لے جانے پر کوئی محصول وصول نہیں کیا جائے گا۔ اور جیسا کہ اسلام میں کوئی سرحدات مسلمان علاقوں کے درمیان نہیں ہیں لہٰذا تمام اسلامی ممالک کو ایک ہونا چاہیے لیکن موجودہ دور میں ایسا نہیں لہٰذا مسلمان ممالک کے درمیان مال تجارت کی درآمدات و برآمدات پر کوئی محصول وصول نہیں کیا جائے گا اور رہی بات غیر مسلم ممالک سے تجارت کی، تو جو ممالک مسلمان ممالک کی اشیاء پر محصول وصول نہیں کریں گے تو ان کے مال تجارت پر محصول وصول نہیں کیا جائے گا اور جو ممالک مسلمان ممالک کے مال تجارت پر محصول لگاتے ہیں تو ان ممالک کے مال تجارت پر محصول لگایا جائے گا۔ لہٰذا اسلام کے ملکی اور بین الاقوامی تجارت کی قوانین کے نفاذ سے ملکی اور بین الاقوامی تجارت نہایت سہل ہو جائے گی اور چھوٹے سے چھوٹے تاجر کو اپنا مال دوسرے ممالک کی منڈیوں میں بیچنے کا موقع مل جائے گا اور بین الاقوامی تجارت میں بیسوں گنا اضافہ ہو جائے گا جس سے ہر چیز کی قیمت نہایت کم ہو جائے گی۔

(اسلامی اقتصادی نظام: آزاد دائرۃ المعارف، وکی پیڈیا)

ہم دنیا میں اسباب اختیار کرنے کے پابند ہیں اور شریعت اسلامی کا مزاج اور منشا بھی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے نہ رہیں، تاکہ ترکِ اسباب کا نتیجے میں اپنے زیر دست افراد کے حقوق تلف نہ ہو جائیں اور پھر اغیار کے اموال کی طرف حرص وہوس کے ساتھ دیکھنا پڑے، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو حلال طریقے سے کسبِ معاش کی تعلیم دیتی ہے۔ ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے یہ سبق ملتا ہے کہ کما کر کھاو، دوسرے کے دست نگر نہ بنو۔ معاشی کفالت ہر شہری کا بنیادی حق ہے غربت و افلاس کے اندھیروں میں ایمان کی شمع کو روشن رکھنا اکثر ممکن نہیں رہتا۔ اندر کا انسان سرکشی اور بغاوت پر اتر آتا ہے اور یہ سرکشی اور بغاوت خالق کائنات کے وجود سے انکار پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَكُوْنَ كُفْرًا

(بیہقی، شعب الایمان، 5: 267، رقم: 6612)

''غربت و افلاس اِنسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے''۔

ایک اور مقام پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

اللھم إني أعوذ بک من الفقر وأعوذ بک من القلة والذلة وأعوذ بک أن أظلم أو أظلم (سنن نسائی:5462)

''اے اللہ! میں فقر و غربت سے تیری پناہ مانگتا ہوں، کمی اور ذلت سے پناہ مانگتا ہوں، ظلم کرنے اور ظلم کیے جانے سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔

اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رزق کمانے اور خصوصاً تجارت سے منسلک ہونے کی ترغیب دی ہے۔

حضرت عمر فاروق، لوگوں کو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کی نصیحت کیا کرتے:

تم میں سے کوئی بھی آدمی طلب رزق کے ذرائع کو چھوڑ کر نہ بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ بے شک آسمان سونا چاندی نہیں برساتا اور بے شک اللہ تبارک وتعالی لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق دیتا ہے پھر آپ نے اللہ کے اس قول کی تلاوت فرمائی، پھر جب نماز ادا ہو چکے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ اور (پھر) اللہ کا فضل (لیعنی رزق) تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسب حلال کمانے اور محنت کرنے کی صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ ایک رول ماڈل کی حیثیت سے اپنا کردار بھی سامنے رکھا۔ جو نہ صرف عام فرد کے لیے ہے بلکہ مملکت اعلیٰ عہدیدران کے لیے بھی راہ عمل متعین کرتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جناب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی برتر حیثیت اور رفعت شان کے باوجود نہ کدال اٹھانے میں عار محسوس کی اور نہ پیوند لگانے میں۔ اس طرح محنت کش کو اپنی ذات کا معتبر حوالہ عطا کر دیا۔ سربراہ ریاست کی حیثیت سے خصوصی مراعات کا تقاضا نہ کیا اور تقسیم کار میں عدل و مساوات کو رہنما اصول قرار دیا۔ اس سلسلے میں عمال کو تحفہ میں ملنے والی اشیا کو پسند نہ فرمایا۔ جب بتایا گیا کہ مال لوگوں نے محبت سے تحفے میں دیا تھا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس استدلال اور توجیہ کو پسند نہ فرمایا اور تہدیداً فرمایا:''جاؤ اپنی ماں اور باپ کے گھر بیٹھ جاؤ' پھر بتانا کون تحفہ لاتا ہے (صحیح مسلم، کتاب الامارہ باب تحریم ہدایا العمال)) واضح کر دیا گیا کہ اصحاب منصب کے تحائف ذاتی نہیں ہوتے منصب کے حوالے سے ہوتے ہیں اس لئے ان کو اپنا قرار دینا دیانت دارانہ طرز عمل نہیں ہے۔

بیع اور تجارت

حقوق العباد یعنی معاملات میں سب سے اہم جزو بیع ہے۔ خرید وفروخت اور تجارت کے لیے قرآن و حدیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ بیع ہے۔

بیع کے معنیٰ ہیں بیچنا یعنی فروخت کرنا لیکن کبھی اس کے معنیٰ خریدنا بھی مراد ہوتے ہیں اس لیے بیع کا ترجمہ اصطلاحی طور پر خرید وفروخت کیا جاتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں آپس کی رضامندی سے مال کے ساتھ مال بدلنا بیع کہلاتا ہے۔ پہلے اشیائ کا لین دین اسی طرح بارٹر سسٹم کے تحت ہوتا تھا، اس طرح ہر فرد خریدار بھی تھا اور فروخت کنندہ بھی لہٰذا بیع خرید اور فروخت دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حافظ حجر عسقلانی نے بیع کے شرعی مفہوم میں لکھا ہے کہ قیمت کے عوض چیز کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل کرنا بیع ہے۔ (فتح الباری)

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ سودی کاروبار اور قرض کے لین دین میں بھی ملکیت تو منتقل ہوتی ہے مگر وہ بیع نہیں کہلاتی کیونکہ بیع میں منتقلی دائمی ہوتی ہے۔

بیع کی شرعیت: بیع یعنی خرید وفروخت کا شرعی ہونا قرآن کریم کی اس آیت (وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا) (البقرۃ: 275) (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) اور رسول کریم ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

بیع کی اقسام

بیع یعنی خرید وفروخت میں بنیادی طور پر تین چیزیں ہوتی ہیں۔

□ اول تو عقد بیع یعنی نفس معاملہ کہ ایک شخص کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرا اسے خریدتا ہے۔

□ دوم مبیع یعنی وہ چیز جس کو فروخت کیا جاتا ہے اور

□ سوم ثمن یعنی قیمت

ان تینوں کے اعتبار سے فقہی طور پر بیع کی کچھ قسمیں ہیں، چنانچہ نفس معاملہ اور اس کے حکم کہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں۔ کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں:

1۔ نافذ 2۔ موقوف

3۔ فاسد 4۔ باطل

1۔ بیع نافذ اس بیع کو کہتے ہیں کہ طرفین میں مال ہو یعنی بیچنے والے کے پاس بیع ہو خریدار کے پاس ثمن ہو اور عاقدین یعنی بیچنے والا اور خریدار دونوں عاقل ہوں نیز وہ دونوں بیع یا تو اصالۃً کریں یا وکالۃً اور دلالۃً جس بیع میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی وہ بیع بالکل صحیح اور نافذ ہوگی۔

2۔ بیع موقوف اس بیع کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت یا ولایت کے بغیر فروخت کرے۔ اس بیع کا حکم یہ ہے کہ جب تک کہ اصل مالک کی اجازت و رضامندی حاصل نہ ہو جائے یہ بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اجازت کے بعد صحیح ہو جاتی ہے۔

3۔ بیع فاسد وہ بیع ہے جو باصلہ یعنی معاملہ کے اعتبار سے تو درست ہو مگر بوصفہ یعنی کسی خاص وجہ کی بنا پر درست نہ ہو۔

بیع باطل اس بیع کو کہتے ہیں جو نہ باصلہ درست ہو اور نہ بوصفہ.

بیع فاسد اور بیع باطل کی تفصیل اور ان کی مثالیں ان شاءاللہ باب المنہی عنہا من البیوع میں ذکر کی جائیں گی۔

مبیع یعنی فروخت کی جانے والی چیز کے اعتبار سے بھی بیع کی چار قسمیں ہیں:

1۔ مقائضہ 2۔ صرف

3۔ سلم 4۔ بیع مطلق

1۔ بیع مقائضہ یہ ہے کہ مبیع بھی مال اور ثمن بھی مال ہو مثلاً ایک شخص کپڑا دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اس کو غلہ دے، گویا بیع کی یہ وہ صورت ہے جسے عرف عام میں تبادلہ مال کہا جاتا ہے۔

2۔ بیع صرف یہ ہے کہ نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلاً ایک شخص ایک روپیہ کا نوٹ دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں ایک روپیہ کے پیسے دے یا ایک شخص اشرفی دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اسے روپیہ دے گویا روپیہ بھنانا یا روپیہ کی ریزگاری لینا دینا بیع صرف کی ایک قسم ہے۔

3۔ بیع سلم یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کسی چیز کی قیمت پیشگی لے لے اور یہ طے ہوجائے کہ خریدار یہ چیز اتنی مدت مثلاً ایک دو مہینے کے بعد لے لے گا۔

4۔ بیع مطلق یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع نقد کے عوض کی جائے مثلاً بیچنے والا ایک من گیہوں دے اور خریدار اس کی قیمت کے طور پر تیس روپے ادا کرے۔

ثمن یعنی قیمت کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں یہ ہیں:

1۔ مرابحہ 2۔ تولیت

3۔ ودیعت 4۔ مساومت

1۔ مرابحہ کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا مبیع کو اپنے خریدار سے نفع لے کر فروخت کرے۔

2۔ تولیت کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا مبیع کو بلا نفع کے اس قیمت پر فروخت کرے جتنی قیمت میں اس نے خود خریدی ہو۔

3۔ ودیعت کی صورت کہ بیچنے والا اپنی خرید سے کم قیمت پر فروخت کرے۔

4۔ مساومت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار آپس کی رضامندی سے کسی چیز کی خرید وفروخت چاہے جس قیمت پر کریں اور اس میں بیچنے والے کی قیمت خرید کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ (المشکوۃ:)

بیع کے دو ارکان ہیں:

ایک ایجاب وقبول اور دوسرا تعاطی، یعنی لینا اور دینا۔

بیع کے انعقاد کی شرائط میں سے یہ ہے کہ:

1۔ بیع کرنے والا عاقل اور سمجھدار ہو۔

2۔ دو آدمیوں کا موجود ہونا؛ کیوں کہ ایک آدمی کا خریدار اور فروخت کنندہ ہونا درست نہیں۔

3۔ بیع میں قبول، ایجاب کے موافق ہو۔

4۔ مبیع اور ثمن (شرعاً) مال کے قبیل سے ہوں، یعنی وہ چیز شریعت میں مالِ متقوم ہو، چنانچہ شراب، خنزیر، خون اور خالص گوبر وغیرہ کی بیع صحیح نہیں ہوگی۔

5۔ مبیع موجود ہو، معدوم نہ ہو۔

6۔ مبیع اور ثمن معلوم و متعین ہوں۔

7۔ جو چیز فروخت کی جارہی ہے اس کا فروخت کنندہ کی ملکیت میں ہونا، چناں چہ جو چیز ابھی تک ملکیت میں نہیں آئی، یا چوری کا سامان ہے، اسے فروخت کرنا بھی درست نہیں۔

8۔ جو چیز فروخت کی جارہی ہے، بائع کا اس پر قبضہ محقق ہونا، خواہ وکیل کے ذریعے ہو۔

9۔ بائع اور مشتری ایک دوسرے کا کلام سننے والے ہوں۔

10۔ ایجاب وقبول ایک مجلس میں ہو۔

ان کے علاوہ بھی بیع کے نفاذ، بیع کے صحیح ہونے، اور لازم ہونے کی شرائط بھی فقہاء نے ذکر فرمائی ہیں۔

بیع اور تجارت کا باہمی فرق

بیع کے مقابلے میں تجارت کا مفہوم قدرے محدود ہے۔ تجارت کا مطلب ہے Trade یعنی کوئی چیز اس

بقیہ صفحہ 36 پر

ریاض الجنہ کے مقدس ستون

صاحب زادہ ذیشان کلیم معصومی

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان کا رقبہ جنت کے باغات میں سے ایک ہے ریاض الجنہ کا مطلب ہے جنت کا باغ یہ زمین کے اس ٹکڑے کا لقب ہے جو روضہ رسول ﷺ سے لے کر منبر شریف تک ہے اور اس کی لمبائی بائیس میٹر اور چوڑائی پندرہ میٹر ہے اسے ریاض الجنہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے گھر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کا باغ ہے مطلب یہ جنت کا ایک شاداب ٹکڑا ہے اور سرزمین فردوس سے زمین پر منتقل کیا گیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حجر اسود زمین پر منتقل کیا گیا تھا مقام محبوبیت کے اظہار کے لئے یہ عطا کوئی ایسی بات نہیں جسے ناممکن قرار دیا جاسکے یا پھر اس کا یہ معنی ہے کہ قیامت کے روز اسے یہاں سے اٹھا کر جنت میں پہنچادیا جائے گا اور جنت کے شایان شان اس کا وہ حسن نمایاں کردیا جائے گا جنت کے اس فردوسی آن بان والے نظر افروز اور نورانی ٹکڑے میں کچھ خصوصی اور تاریخی ایسے بابرکت اور رحمتوں والے ستون موجود ہیں جن کے ساتھ حضور پاک ﷺ کی کوئی نہ کوئی پیاری اور نادر یادوابستہ ہے انہیں اساتین رحمت کہا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ نام یہ ہیں:

۱۔ستون حنانہ

ستون حنانہ کو ستون مخلق بھی کہا جاتا ہے حنانہ کا مطلب ہے رونے والا چونکہ یہ ستون کھجور کے اس تنے کے قریب ہے جو فراق نبی میں دھاڑیں مار مار کر رویا تھا اس لیے اس کا یہ نام مشہور ہو گیا خلوق ایک قسم کی مرکب خوشبو کا نام ہے مخلق اس چیز کو کہتے ہیں جس پر یہ خوشبو مل گئی ہو چونکہ اس ستون پر یہ خوشبو ملی جاتی تھی اس لیے اس کا نام ستون مخلق بھی پڑ گیا یہ ستون اس محراب کے قریب ہے جہاں سرکار دوعالم ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔

۲۔ستون عائشہ

روضۂ اطہر سے مغرب کی جانب چلیں تو یہ تیسرے نمبر پر آتا ہے اسے ستون قرعہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوساتھی ان کی بارگاہ میں باریاب ہوئے آپ نے فرمایا ریاض الجنہ میں ایک ایسی جگہ بھی ہے جہاں نماز ادا کرنے کی حیرت انگیز فضیلت ہے اگر لوگوں کو اس جگہ کا پتہ چل جائے تو وہ قرعہ اندازی کے ذریعہ سے وہاں نماز ادا کیا کریں اور ہر شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ جس طرح بھی ہو وہاں نماز ادا کیا کرے۔ جب ان لوگوں کو اس نعمت غیر مترقبہ کا علم ہوا تو وہ سراپا التجا بن گئے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ جگہ ان کو نہ بتائی تا کہ جھگڑا سے محفوظ رہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایسی باتوں کے مشتاق تھے وہ آس امید کے چراغ جلا کر وہیں بیٹھ گئے جب وہ دونوں شخص چلے گئے تو انہوں نے اپنی مہربان خالہ جان سے بااصرار کہا کہ اس خزانہ سے آگاہ فرمادیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ کا شوق واصرار دیکھ کر وہ جگہ ان کو بتادی ان کے دوساتھی جو پہلے باہر نکل گئے تھے انہوں نے سوچا حضرت عبداللہ مقدس اور متبرک مقامات کے بہت شائق ہیں انہیں ریاض الجنہ کی ایک خاص جگہ کا پتہ چل گیا ہے اب وہ اپنی خالہ سے پوچھے بغیر باہر نہیں نکلیں گے اور جب پوچھ کر باہر نکلیں گے تو سیدھے وہاں جا کر جو جگہ ان کو بتائی گئی ہوگی نماز پڑھیں گے اس لیے اس مخصوص جگہ کا محل وقوع معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ چھپ کر بیٹھ جائیں اور ابن زبیر کا انتظار کریں وہ جہاں آکر نماز پڑھیں گے سمجھ لینا وہی جگہ ہے ان دونوں کا یہ قیافہ بالکل درست نکلا۔حضرت ابن زبیر باہر نکلے تو سیدھے اسی ستون کے قریب آئے اور خصوصی رحمتیں لوٹنے کے لیے نماز کی نیت باندلی بعد میں سب کو پتہ چل گیا کہ ریاض الجنہ کی یہی وہ خاص جگہ ہے جہاں نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے اور اگر اس فضیلت کا لوگوں کو پتہ چل جائے تو وہ اپنی باری حاصل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کر کے وہاں نماز پڑھا کریں۔

۳۔ستون توبہ

یہ ستون عائشہ کی سیدھ میں مشرق کی جانب ہے اسے ستون ابی لبابہ بھی کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابولبابہ نے خود کو اس ستون کے ساتھ باندھا تھا اور یہ عہد کیا تھا کہ توبہ قبول ہونے تک وہ اسی کے ساتھ بندھے رہیں گے ان سے ایک سنگین غلطی ہوگئی تھی جس کی تلافی کے لیے انہوں نے خود کو اس سزا کا مستحق سمجھا تھا۔ وہ غلطی کیا تھی اس کے بارے میں کچھ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا البتہ اتنی بات ضرور ہے وہ سنگین نوعیت کی غیر معمولی غلطی تھی بعض مقامات پر اس غلطی کی طرف اشارات ملتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے سادگی میں اسلام کے دشمن یہودیوں کو کسی فیصلے یا اہم معاملے سے آگاہ کر دیا تھا۔ دوسرا یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں یہ شریک نہیں ہوئے تھے یہی ان کی فروگزاشت تھی کوتاہی غلطی یا جرم وگناہ کوئی بھی ہو۔ بہر حال انہوں نے اسے بہت محسوس کیا اور اپنے کیے پر بے حد نادم ہوئے اور اپنی بیوی یا بیٹی سے کہا کہ انہیں مسجد نبوی میں ستون کے ساتھ باندھ دیں چنانچہ انہیں بھاری زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ نماز کے وقت یا انسانی ضرورت کے وقت انھیں کھولا جاتا بعد میں پھر زنجیر پہنا دی جاتی۔ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے صورت حال بیان کی گئی تو آپ نے فرمایا اگر

ہمارے پاس آجاتا تو ہم اس کے لیے استغفار کر دیتے اب چونکہ اس نے جو کرنا تھا کر لیا ہے اب ہم بھی نہیں کھولیں گے یہاں تک کہ اللہ اس کی توبہ قبول کر لیں۔

ابولبابہ نے کھانا پینا اور آرام کرنا ترک کر دیا ان کے شب و روز رونے میں گزرتے کسی چیز کا ہوش نہ رہا دنیا سے ہر قسم کے تعلقات منقطع ہو گئے۔ اسی عالم میں سات آٹھ دن گزر گئے سخت گرمی کے موسم میں پانی کا ایک قطرہ اور کھانے کا ایک لقمہ تک حلق کے اندر نہ گیا۔ بھوک پیاس سے نڈھال ہو گئے غشی کے دورے پڑنے لگے کانوں کی قوت سماعت زائل ہو گئی اور آنکھوں کی بینائی زائل ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ ان تمام ہوش ربا تکالیف اور آلام کے باوجود ان کی ثابت قدمی اور استقلال میں فرق نہ آیا۔ انہوں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا وہ اپنے کیے پر بے حد پشیمان اور سچے دل سے نادم ہیں۔ آخر رحمت ربانی کو ان کی حالت زار پر رحم آ گیا رات کا وقت تھا رحمت عالم ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ کے رخ پُرنور پر بشاشت اور خوشی کے آثار نمودار ہوئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا میرے آقا خدا آپ کو ہمیشہ خوشیاں عطا فرمائے اس وقت مسکرانے اور خوش ہونے کا سبب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول فرمالی ہے۔ اس وقت تک پردے کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے اس لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ کیا میں ابولبابہ کو یہ خوشخبری سنادوں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور سنادو۔ چنانچہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مسجد کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے فرمایا اے ابولبابہ مبارک ہو خدا نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔ جب لوگوں کو پتہ لگا تو وہ مبارک دینے کے لیے ٹوٹ پڑے اور زنجیریں کھولنے کا ارادہ کیا۔ ابولبابہ نے کہا جب تک حضور پاک ﷺ اپنے دست حق سے زنجیریں نہیں کھولیں گے میں باہر نہیں آؤں گا۔ آخر سرکار نبی پاک ﷺ نے ان کی یہ خواہش پوری فرمائی اور انہیں آزادی دی۔ اس ستون کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ جب آپ اعتکاف بیٹھتے تو آپ کا بستر مبارک یا چارپائی اسی ستون کے پاس بچھادی جاتی تھی اور آپ اس کے ساتھ ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اس ستون کے ساتھ ایک اور بھی یاد وابستہ ہے کہ جن لوگوں کا گھر بار نہیں ہوتا تھا فجر کی نماز کے بعد وہ سب اس ستون کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ بے کس، نادار، غرباء و مساکین کے ساتھ غیر معمولی انس و پیار کی وجہ سے حضور پاک ﷺ بھی تمام لوگوں کو چھوڑ کر ان کے پاس آ بیٹھتے تھے اور تازہ نزول ہونے والی آیات انہیں پڑھ کر سناتے تھے۔ اس طرح یہ محفل ایک علمی محفل کا رنگ اختیار کر لیتی تھی اور حاضرین کے علم و عرفان میں اضافہ کا باعث بنتی تھی۔

۴۔ ستون سریر

عربی زبان میں سریر چارپائی کو کہتے ہیں سرور کائنات ﷺ کی موٹے بان یا کھجور کی چھال سے بنی ہوئی چارپائی جس پر سنہری تخت شاہی بھی قربان کیے جا سکتے ہیں اسی ستون کے ساتھ بچھائی جاتی تھی چونکہ یہ ستون حجرۂ مبارک کے ساتھ ملا ہوا تھا اس لیے اعتکاف کی حالت میں آپ سر مبارک حجرہ میں کر دیتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ اپنے کمرے میں بیٹھے بیٹھے سر مبارک دھو دیتی تھیں یا کنگھی کر دیتی تھیں۔

۵۔ ستون محرس

محرس اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی پاسبان اور چوکیدار کھڑے ہو کر پہرہ دیتا ہے چونکہ یہاں رات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پہرہ دیا کرتے تھے اس لیے اس ستون کو ستون محرس یا ستون علی بھی کہتے ہیں۔ یہ ستون بھی حجرہ مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے اور شمال کی جانب ہے۔

۶۔ ستون وفود

یہ ستون ستون محرس کی سیدھ میں شمال کی جانب ہے اور حجرہ مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اسے یہ خصوصیت حاصل ہے کہ شاہ دوجہاں ﷺ اسی ستون کے پاس بیٹھ کر باہر سے آنے والے وفود کو شرف باریابی بخشا کرتے تھے۔ وہ لوگ آتے اور نبی پاک ﷺ کے دست حق پرست پر مسلمان ہوتے اور دولت دارین لے کر لوٹتے اسی ستون کے دامن میں یہ رحمت کا باڑا روزانہ بٹتا تھا۔

ان مبارک ستونوں کے علاوہ ایک ستون جبریل بھی تھا حضرت جبریل امین جناب دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں اسی جگہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ اسے مقام جبریل بھی کہتے ہیں۔ اب یہ نورانی جگہ روضۂ رسول ﷺ کے اندر آ گئی ہے۔ حضرت خاتون جنت کا حجرۂ مبارک بھی اسی جگہ تھا حضور پاک ﷺ اسی جگہ کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نماز کی تیاری کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ عام طور پر یہ یاد دہانی اس طرح کرواتے تھے کہ اے اہل بیت تم کو سلام بے شک اللہ پاک ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے پلیدی دور رکھے اور تمہیں پاک کر دے اٹھو نماز ادا کرو نماز کی تیاری کرو۔ کسی سفر سے واپسی پر آپ سب سے پہلے اسی حجرے میں اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں کافی دیر قیام فرماتے حال احوال پوچھتے۔ اس کے بعد ازواج مطہرات کے حجرات میں تشریف لے جاتے۔

اللہ ہم سب کو یہ مقدس مقامات زندگی میں بار بار دکھائے اور ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین

دنیا میں تبدیلی کی سوچ اچھی سوچ ہے لیکن اس بات کو قلب و روح میں اچھی طرح اتار لیا جائے کہ مدینہ کی فلاحی ریاست صرف میکانکی نظام نہیں دیتی بلکہ اپنے دامنِ فکر میں وہ اعتقادی، عملی اور روحانی سرمایہ رکھتی ہے جس کا ادراک اس ریاست پر عقیدہ رکھنے والوں کے باطن کو روشن کر دیتا ہے۔ یہ کوئی انقلاب نہیں ہوتا جو اعتمادِ نفسی کو کچل کر ایک گندی تہذیب کے رو برو کر دے۔ جہاں تک ہم اس ریاست کی باطنیت کا ادراک کر سکے ہیں، اس میں صرف ظاہری اسباب کی تجمیع کافی نہیں تھی اصل تبدیلی داخلی تھی، نفسیاتی تھی، روحانی تھی اور اخلاقی تھی جس کی بنیاد پر کی جانے والی کوششیں اس وقت کی دنیا سے لے کر آج تک مقناطیسیت رکھتی ہیں۔

گفتنی و ناگفتنی سے ایک اقتباس

منجانب: ڈاکٹر محمد سلیم۔ شیخوپورہ

مولانا روم اور شمس تبریز (ایک ملاقات)

آصف بلال آصف

اللہ تعالیٰ نے مولانا روم کو چالیس سال کی عمر تک اس قدر نواز دیا تھا کہ جس قدر وہ طلب کر سکتے تھے۔۔۔انہیں ایک مبلغ اور مفسر کے طور پر تربیت دی گئی تھی اور وہ الہامی وجدان کی سائنس میں آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔۔۔انہوں نے اپنے مرحوم والد کی راہنمائی میں اپنے وقت کے بہترین اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔۔۔انہوں نے اپنی آگاہی میں اضافے کی خاطر سخت محنت کی، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہی فریضہ سونپا تھا۔ان کے ضعیف استاد سید برہان الدین کہا کرتے تھے کہ ’’وہ خدا کے پیاروں میں سے ایک ہیں‘‘ کیونکہ انہیں اس کا پیغام اس کے لوگوں تک پہنچانے اور صحیح اور غلط میں فرق کرنے میں مدد کرنے کی قابلِ احترام ذمہ داری سونپی گئی تھی۔شریعت کے دوسرے عالموں کے ساتھ مختلف علوم پر بحث کرتے ہوئے۔۔۔ہزاروں شاگردوں کو تعلیم دیتے ہوئے۔۔۔قانون اور حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے اور ہر جمعہ کو شہر کی سب سے بڑے جامعہ میں خطبہ دیتے ہوئے انہیں برسوں بیت گئے تھے۔۔۔لیکن وہ اب کبھی کبھی بیٹھے بٹھائے خود کو اداسی کی لپیٹ میں جاتا ہوا محسوس کرتے حالانکہ بظاہر اس کی کوئی وجہ موجود نہ ہوتی تھی۔۔۔

رومی خود فرماتے ہیں کہ اللہ نے مجھے تین نعمتوں سے نواز کر میری زندگی مکمل اور بھرپور بنادی تھی اور یہ تینوں نعمتیں مجھے بے حد عزیز ہیں۔۔۔

علم۔۔۔نیکی۔۔۔اور خدا کی تلاش میں دوسروں کی مدد کی قابلیت۔۔۔

رومی کہتے ہیں کہ میں اپنی ذاتی اور سماجی زندگی میں ایک خوش باش اور مطمئن شخص ہوں پھر کیوں مجھے اپنے اندر خالی پن اور ایک خلا محسوس ہوتا ہے، جو ہر گزرتے دن کے ساتھ گہرا اور وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔یہ کسی بیماری کی طرح میری روح کو مسلسل کترتا ہے اور جہاں کہیں میں جاؤں میرے ہمراہ رہتا ہے کسی چوہے کی طرح خاموش اور اتنا ہی حریص۔۔۔

جمعہ کے روز وہ نماز جمعہ اور خطبہ کے بعد مسجد سے نکلے تو خدمت گزاروں نے ان کی سواری یعنی گھوڑا تیار کیا ہوا تھا گھوڑے کی ایال میں سونے کی لڑیاں اور ننھی نقرئی گھنٹیاں پروئی گئی تھیں۔۔۔مولانا روم گھوڑے پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔۔۔لیکن ملنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے رفتار آہستہ تھی۔۔۔ارد گرد سائلوں کی پکاریں۔۔۔بچوں کی چیخ و پکار اور گداگروں کی صدائیں مل کر ایک عجیب شور بپا تھا۔۔۔ان لوگوں میں سے اکثر ان سے دعا کے لیے کہہ رہے تھے۔۔۔کوئی آسیب زدہ تھا۔۔۔تو کسی کو دائمی بیماری تھی۔۔۔اور کوئی کالے جادو سے نجات کا طلب گار تھا۔۔۔جب مولانا روم کی سواری ایک موڑ مڑ کر آگے کو بڑھی تو اس ہجوم میں سے رستہ بناتا ہوا ایک سرگرداں درویش ان کی طرف بڑھا جس کی تیز نگاہیں مولانا روم کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔۔۔اس درویش کی حرکت سبک تھی اور توجہ مرکوز۔۔۔اس کے گرداگرد خودکفیل صلاحیت کا ہالہ بنا ہوا تھا۔۔۔اس درویش کا چہرہ خوبصورت تھا لیکن اس چہرے پر بکھرے تاثرات ناقابل فہم تھے۔۔۔

مولانا روم نے بھی اس درویش کی چھیدتی نگاہوں کی گرمی محسوس کر لی تھی۔۔۔مولانا نے محسوس کیا کہ درویش کی سیاہ نگاہیں کسی خنجر سے بھی تیز ان کے چہرے پر گڑی جا رہی تھیں۔۔۔وہ کوئی عام درویش نہیں تھا کیونکہ آج سے پہلے جتنے بھی درویشوں سے ان کی نظری، عملی یا فکری جان پہچان ہوئی تھی وہ ان سب سے علیحدہ تھا۔۔۔اس کی ناقابل فہم نگاہوں کو اگر فہم و ادراک کا لباس پہنایا جاتا تو کئی نئی دنیائیں کھل جاتیں۔۔۔اتنے میں وہ درویش سڑک کے عین درمیان آ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے بازو بلند کر لیے۔۔۔یوں جیسے وہ نہ صرف جلوس کو بلکہ وقت کے بہاؤ کو بھی روکنا چاہتا تھا۔۔۔کسی اچانک وجدان کی طرح مولانا روم کو اپنے جسم میں ہلچل سی محسوس ہوئی ان کا گھوڑا گھبرا گیا اور اپنے سر کو اوپر نیچے کر کے ہنہنانے لگا تھا۔۔۔مولانا نے گھوڑے کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اتنا بدک گیا کہ مولانا خود بھی گھبراہٹ محسوس کرنے لگے۔۔۔درویش نے جب یہ حالت دیکھی تو ان کے اور قریب ہوا اور ہاتھ اٹھا کر گھوڑے کو پُرسکون ہونے کا اشارہ کیا۔۔۔ہانپتا ہوا گھوڑا پرسکون ہو گیا۔۔۔ہجوم میں ایک جوش سا دوڑ گیا۔۔۔چہ مگوئیاں اور سرگوشیاں بلند ہونے لگیں۔۔۔اپنے گردوپیش سے غافل درویش نے مولانا کو تجسس سے دیکھا اور بولا:

"اے مشرق ومغرب کے عظیم عالم میں نے آپ کے متعلق بہت سنا ہے میں آج یہاں ایک سوال پوچھنے آیا ہوں کیا مجھے پوچھنے کی اجازت ہے"۔۔۔؟

پوچھیے۔۔۔!

مولانا نے دھیمے سے کہا:

خوب!

اس کے لیے آپ کو گھوڑے سے اتر کر میری سطح پر میرے برابر کھڑا ہونا پڑے گا۔۔۔درویش نے عجب مستی سے کہا تھا۔

یہ بات سن کر مولانا حیرت زدہ ہو گئے تھے اور ایک لمحے کو تو کچھ بول ہی نہ پائے۔۔۔اردگرد موجود لوگ بھی شدید حیران ہوئے۔۔۔آج سے پہلے کبھی کسی نے مولانا سے ایسے مخاطب ہونے کی جرأت نہ کی تھی۔۔۔مولانا کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔۔۔انہیں اپنے پیٹ میں کوفت اور جھنجلاہٹ سے بل پڑتے ہوئے محسوس ہوئے لیکن کچھ لمحوں میں وہ اپنی انا اور نفس پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔۔۔اور گھوڑے سے اتر آئے۔۔۔درویش پہلے ہی رخ موڑ کر چلنا شروع ہو چکا تھا۔

ارے رکیے! برائے مہربانی۔۔۔

مولانا تیزی سے درویش کے قریب پہنچے اور کہا:

میں آپ کا سوال جاننا چاہتا ہوں۔

درویش رکا اور مڑا پہلی بار مولانا کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا ٹھیک ہے۔۔۔

مجھے بتائیے کہ ان دونوں میں سے کون عظیم تر ہے

''پیغمبر محمد ﷺ یا صوفی بسطامی''

یہ کس قسم کا سوال ہے مولانا کے لہجے میں سختی تھی۔۔۔شدید غصہ تھا۔۔۔آپ واجب تعظیم پیغمبر نبی آخر الزماں ﷺ کا موازنہ ایک عام صوفی سے کیسے کر سکتے ہیں۔۔۔؟

ان کے گرد ایک متجسس ہجوم جمع ہو چکا تھا۔۔۔

لیکن درویش کو لگتا تھا کہ جیسے اسے ان حاضرین کی کوئی پرواہ نہ تھی۔۔۔درویش نے مولانا کے چہرے کو پڑھتے ہوئے اصرار کیا کہ برائے مہربانی اس بارے میں سوچیے۔۔۔

کیا پیغمبر اسلام ﷺ نے یہ نہیں کہا تھا کہ

''اے خدا مجھے معاف فرما دے، میں تجھے ویسا نہیں جان سکا جیسا کہ مجھے جاننا چاہیے''۔

جبکہ بسطامی نے کہا تھا کہ تعریف ہے میرے لیے میں خدا کو اپنی چادر تلے رکھتا ہوں۔

اگر ایک خود کو خدا کے مقابلے میں بہت چھوٹا سمجھتا ہے جبکہ دوسرا خدا کو اپنے اندر رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو دونوں میں سے کون عظیم ہوا۔۔۔؟

مولانا روم کو اپنا دل حلق میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوا سوال اب مزید مبہم نہ رہا تھا۔۔۔ان کو محسوس ہوا جیسے پردہ اٹھایا جا چکا ہے اور اس کے پیچھے موجود ایک پیچیدہ معمہ ان کا منتظر تھا۔۔۔

گزرتی ہوا کی طرح ایک دل فریب مسکراہٹ درویش کے چہرے کو چھو کر گزر گئی مولانا گمان اور خیال کی دنیا سے باہر نکل آئے وہ جان گئے تھے کہ وہ کوئی دیوانہ نہیں ہے وہ ایک سوال لیے آدمی تھا۔۔۔ایک سوال کہ جس کے بارے میں انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔

میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔۔۔مولانا نے درویش کی بے ساختہ نگاہوں سے مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔۔۔مولانا نے جب بات شروع کی تو چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی آواز میں موجود لرزش کو کنٹرول نہ کر سکے اور یہ بات درویش نے بھی محسوس کر لی تھی۔

''میں دونوں بیانات کا موازنہ کر کے بتاؤں گا۔۔۔اگرچہ بسطامی کا بیان بلند تر لگتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے''۔

مولانا بولے:

''میں سننے کو بے تاب ہوں''۔۔۔

درویش نے کہا:

آپ جانتے ہیں کہ خدا کی محبت بحرِ بے کنار ہے اور انسان جتنا پانی اس سے لے سکتے ہیں، لینے کی جدوجہد کرتے ہیں لیکن انجام کار ہم میں سے ہر کوئی جتنا پانی لے سکتا ہے وہ ہمارے پیالے پر منحصر ہے کچھ لوگوں کے پاس بڑا برتن ہوتا ہے کچھ کے پاس درمیانہ جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے پاس صرف پیالے ہوتے ہیں''۔۔۔

بات کرتے ہوئے مولانا نے درویش کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات استہزاء سے کھلی تحسین میں بدلے اور پھر کسی ایسے شخص کی سی دوستانہ مسکراہٹ میں جس نے کسی دوسرے کے الفاظ میں اپنے خیالات کو پہچان لیا ہو۔

بسطامی کا برتن نسبتاً چھوٹا تھا اور اس کی پیاس گھونٹ بھر کے بعد بجھ گئی۔۔۔وہ جس مرحلے پر تھے اسی میں خوش تھے یہ شاندار بات ہے کہ انہوں نے اپنے اندر خدا کو پہچان لیا تھا۔۔۔لیکن پھر بھی خدا اور ذات کے درمیان امتیاز کی باقیات تو موجود تھیں، انہیں وحدت حاصل نہ ہوئی۔۔۔جہاں تک نبی کریم ﷺ کی بات ہے وہ مصطفیٰ تھے۔۔۔چنے ہوئے تھے۔۔۔ان کا پیالہ بہت بڑا تھا اس لیے خدا ان سے قرآن پاک میں پوچھتا ہے

''کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا''۔

(سورہ الم نشرح آیت نمبر ۱)

یوں ان کا دل کھول دیا گیا ان کا پیالہ لامحدود تھا ان کے لیے پیاس کے بعد پیاس تھی اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ

''اے خدا میں تجھے ویسے نہیں جانتا کہ جیسے تجھے جاننے کا حق ہے''۔

اگرچہ وہ خدا کو یوں جانتے تھے جیسے اور کوئی نہیں جانتا۔۔۔

خوش دلی سے ہنستے ہوئے درویش نے سر ہلایا۔۔۔شکریہ ادا کیا پھر اظہار تشکر میں اپنا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھا اور کچھ لمحے اسی طرح کھڑا رہا۔۔۔اس نے اپنا سر اٹھا کر مولانا روم کی طرف دیکھا۔۔۔اس کی آنکھوں میں سورج کی تپش کی بجائے آگ کی ٹھنڈک اور نرمی آ چکی تھی۔۔۔

ڈھلتے سورج کی مدھم پڑتی دھوپ میں ایک لحظے بھر کو رومی نے درویش کی طرف دیکھا۔۔۔جس کے گرد ایک عنبریں ہالہ جلوہ فگن تھا۔۔۔

درویش احتراماً رومی کے سامنے جھکا اور مولانا رومی درویش کے سامنے جھک گئے اور کتنی دیر وہ اسی طرح جھکے رہے۔۔۔ان دونوں کی گفتگو کے تبادلے کو حیرانگی سے سنتے اور اب جھکی ہوئی حالت میں دیکھتے ہوئے رومی کے جاننے والوں میں اس درویش کے لیے ناپسندیدگی آ چکی تھی۔۔۔کیونکہ انہوں نے مولانا کو اس سے پہلے کبھی کسی کے سامنے جھکتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔۔۔لیکن یہ حقیقت تھی کہ قونیہ کا سب سے بڑا عالم اور مبلغ ایک سادہ سے سرگرداں درویش کے سامنے احتراماً جھکا ہوا تھا۔۔۔رومی کے قریب ترین شاگرد سمیت کافی لوگ حیرت زدہ رہ گئے تھے۔۔۔

درویش نے ضرور فضا میں موجود ناراضگی کو محسوس کر لیا تھا۔۔۔بہتر ہوگا میں اب چلوں اور آپ کو آپ کے عقیدت مندوں کے ہمراہ چھوڑ دوں۔۔۔درویش نے ایک وجدانی سرگوشی کی تھی۔

''ٹھہریے''۔۔۔آپ مت جائیے برائے مہربانی رکیے۔۔۔رکیے مولانا رومی نے مضطرب لہجے میں کہا۔۔۔کچھ اور بات کیجیے۔۔۔

درویش نے سنجیدگی سے ہونٹ سکیڑے اور پھر اگلے ہی لمحے ایک اور سوال رومی کی سماعتوں سے ٹکرا چکا تھا۔۔۔

''آپ کا پیالہ کتنا بڑا ہے؟''

پھر کہنے کو اور کچھ باقی نہ رہا تھا۔۔۔مولانا روم کے پاس الفاظ کم پڑ گئے انہوں نے درویش کی طرف قدم بڑھایا اتنا قریب کہ وہ درویش کی سیاہ آنکھوں میں موجود سنہری دھبے دیکھ سکتے تھے۔۔۔ان پر اچانک ایک عجیب احساس غالب آ چکا تھا کہ جیسے وہ یہ لمحہ پہلے بھی گزار چکے تھے۔۔۔ایک بار نہیں درجن سے زائد مرتبہ۔۔۔انہیں چھوٹی چھوٹی تفصیلات یاد آنے لگ گئیں تھیں۔۔۔اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ایک قد آور دبلا پتلا شخص۔۔۔اس کی فروزاں انگلیاں۔۔۔وہ کوئی اور نہیں یہی درویش ہے جو ان کے سامنے کھڑا تھا۔۔۔یہ وہی آدمی تھا جس کو مولانا اپنے خوابوں میں دیکھتے رہے تھے۔۔۔وہ جان گئے کہ انہوں نے اپنا رفیق تلاش کر لیا ہے۔

اذان اور مؤذن کی فضیلت

حافظ کریم اللہ چشتی

اللہ رب العزت کا کروڑوں بار شکرِ عظیم ہے کہ جس نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ''کنتم خیر امة'' کے لقب سے نوازا۔ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دو طرح کی ہے ایک امت اجابت اس سے مراد وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ دوسری امت دعوت اس میں ہر وہ مخلوق شامل ہے جس کی طرف آقا صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ ہم امت وسط ہیں امت وسط سے مراد یہ ہے کہ پروردگار عالم نے ہمیں یعنی اس امت کو نیک و عادل بنایا اور علم و عمل سے مزین فرمایا جہاں امتِ وسط کا ذکر ہے اس کے بعد فوراً ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہترین امت اس لیے ہے کہ ان میں سے جو مسلمان ہیں ان کی اکثریت نیکی کا حکم دیتی ہے اور اپنے درمیان ظاہر ہونے والی برائی سے منع کرتی ہے۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر امت مسلمہ پر فرض قرار دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اب دنیا میں قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا آقا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کے آخری رسول ہیں اور ہم آخری امت ہیں۔ اب لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور اسلام کی تعلیمات کی ذمہ داری امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتی ہے۔ ہماری امت کی فضیلت امر بالمعروف نہی عن المنکر کے ساتھ مشروط ہے اگر ہم یہ فریضہ سرانجام دینے میں کوتاہی کریں گے تو نہ صرف ہماری فضیلت ختم ہو جائے گی بلکہ اللہ پاک کے ہاں ہمیں جوابدہی کرنا پڑے گی۔ امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرد اپنی پہنچ کی حد تک لوگوں کو دعوت اسلام دینے کا پابند ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔

(سورۃ حٰم السجدۃ آیت ۳۳)

''اس سے اچھی بات کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں''۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہر مذہب و ملت میں اپنی اپنی عبادت مخصوصہ کی طرف بلانے کا کوئی نہ کوئی طریقہ مقرر ہے۔ سکھ لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے دھرم سالہ طلبلہ بجاتے ہیں ہندوں مندروں میں سینگ وغیرہ عیسائی سنکھ یہودی ناقوس اور گھنٹی بجاتے ہیں جو سارے طریقے سراسر غلط ہیں۔ دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عبادت کی طرف بلانے کا طریقہ اذان سکھایا ہے جو سب طریقوں سے عمدہ اور نرالا ہے۔ دین اسلام میں پانچوں وقت کی فرض نمازیں اور ان میں جمعہ بھی شامل ہے جب جماعت اُولیٰ کے ساتھ مسجد میں وقت پر ادا کی جائیں تو ان کے لئے اذان سنت مئوکدہ ہے اور اس کا حکم مثل واجب ہے کہ اگر اذان نہ کہی گئی تو وہاں کے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ (درمختار) بچہ جب پیدا ہو اس کے دائیں کان میں اذان کہی جائے اور بائیں میں تکبیر مغموم کے کان میں اذان دینے سے غم دور ہو جائے گا۔ مرگی والے کے کان میں اذان دینے سے مرگی کا مرض دور ہو جاتا ہے۔ آتش زدگی کے وقت اذان دی جائے تو آگ بجھ جائے گی۔ مسافر جنگل میں راستہ بھول جائے تو راستہ مل جائے دفن میت کے بعد قبر پر اذان دی جائے تو جواب پر آسانی ہو جائے۔ بدمزاج شخص کے کان میں اذان دینے سے نیک مزاج بن جاتا ہے۔ (درمختار، بحوالہ بہار شریعت)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔ (سورۃ حٰم السجدۃ آیت ۳۳)

''اس سے اچھی بات کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں''۔

ام المومنین سیدہ طیبہ طاہرہ حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ آیت کریمہ اس سے اچھی بات کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اذان دینے والوں کے حق میں نازل ہوئی یہی لوگ لوگوں کو نماز کے لیے بلاتے ہیں اور اذان و اقامت کے درمیان نوافل ادا کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے بگل بجانے کا ارادہ کیا (جسے یہودی نماز کے لیے جمع ہونے کے لیے بجاتے ہیں) اور ناقوس بجانے کا حکم دیا (جسے عیسائی بجاتے ہیں) پھر عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص دو سبز کپڑے پہنے اور ہاتھ میں ناقوس اٹھائے ہوئے ہے میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے! تو ناقوس بیچتا ہے اس نے کہا تم کیا کرو گے میں نے جواب دیا لوگوں کو نماز کے لیے بلاؤں گا اس نے جواباً کہا میں تجھے اس سے بہتر بات نہ بتاؤں میں نے پوچھا وہ کیا ہے

اس نے کہا یوں کہا کرو:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

''اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، میں گواہی دیتا ہوں محمد اللہ پاک کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں محمد اللہ پاک کے رسول ہیں، آؤ نماز کی طرف، آؤ نماز کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، آؤ کامیابی کی طرف، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں''۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیدار ہونے کے بعد نبی اکرم نور مجسم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں پہنچا اور خواب بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے دو سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ناقوس اٹھائے ہوئے تھا اور تمام واقعے کے بارے میں بتایا تو نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا تمہارے ساتھی نے ایک خواب دیکھا ہے اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! تم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں جاؤ اور انہیں یہ کلمات سکھا دو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چنانچہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں گیا اور انہیں بتانے لگا اور وہ اذان دیتے جاتے تھے یہاں تک امیرالمومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سنی وہ باہر آئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے بھی عبداللہ کی طرح خواب دیکھا۔ ابوعبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر حکمی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے اسی واقعہ کے بارے میں یہ اشعار کہے میں عزت اور بزرگی والے اللہ کا بہت احسان مند ہوں جس نے اپنے فرشتے کو تین رات مسلسل اذان سکھانے کے لیے بھیجا اللہ تعالیٰ اس خوشخبری سنانے والے کو عزت دے جب بھی آیا میری عزت اور وقار میں اضافہ کر گیا۔

(سنن ابن ماجہ شریف)

سالم اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنے کے لیے مشورہ کیا بعض لوگوں نے بوق (نرسنگا) کا ذکر کیا آپ ﷺ نے اسے یہود کی وجہ سے برا خیال کیا پھر لوگوں نے ناقوس کا ذکر کیا آپ ﷺ نے اسے عیسائیوں کے تعلق کی وجہ سے اسے برا جانا پھر اسی رات ایک انصاری شخص کو اذان دینے کے بارے میں بتایا گیا جن کا نام عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ انصاری رضی اللہ عنہ رات ہی کو رسول اکرم نور مجسم ﷺ کے پاس رات ہی کو پہنچے آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پکارا اور انہوں نے اذان دی زہری نے کہا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ ''مِّنَ النَّوْمِ نماز نیند سے بہتر ہے کا اضافہ کیا تو رسول اکرم ﷺ نے اسے قائم رکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ! میں نے بھی ایسا خواب دیکھا جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا لیکن انہوں نے مجھ سے پہلے خواب بیان کر دیا۔

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مؤذنوں کی گردنیں سب لوگوں کی گردنوں سے لمبی ہوں گی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس پرورش پاتے تھے ان سے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم جنگل میں ہو تو اونچی آواز سے اذان دو کیونکہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اذان کو جن، انسان، درخت اور پتھر جو بھی سنیں گے وہ قیامت کے دن اس کی گواہی دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو سات سال تک ثواب کے لیے اذان دے اس کے لیے دوزخ سے چھٹکارا لکھ دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بارہ سال تک اذان دے اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر پر تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ حضرت سلمہ بن ضرار رضی اللہ عنہ شام کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں کسی شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایک ہی ایسا عمل بتا دیں جسے بجالانے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی قوم کا مؤذن بن جا تیری اذان سے لوگ اپنی نمازوں کی ادائیگی کے لیے جمع ہوا کریں گے اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر میں مؤذن نہ بن سکوں تو؟ سرکار مدینہ راحت قلب وسینہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر اپنی قوم کا امام بن جا تا کہ تیری قوم تیرے پیچھے اپنی نماز صحیح صحیح ادا کر سکے اس نے عرض کیا اے اللہ پاک کے محبوب ﷺ اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں تو آپ ﷺ نے اس شخص کو فرمایا پھر پہلی صف میں شامل ہونا اپنے اوپر لازم کر دے۔

آج کل کے مسلمانوں میں یہ عجیب وغریب حرکات دیکھنے میں آئی ہیں کہ مسجد میں بیٹھے ہوتے ہیں جب اذان ہوتی ہے تو مسجد سے نکل جاتے ہیں ایسا کرنا منافق آدمیوں کا کام ہے۔ جب اذان ہو تو مومن کا کام ہے کہ اذان کی اجابت کرتے ہوئے مسجد میں آ جائے اللہ پاک کے ذکر میں مشغول ہو جائے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی مسجد میں داخل ہونے کے بعد اذان سن لے پھر بغیر کسی مقصد اور ضرورت کے مسجد سے نکل جائے اور واپس آنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا شیطان جب اذان سنتا ہے اتنی دور بھاگتا ہے جیسے روحا اور مدینہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضرت مقعل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا جس قوم میں صبح کو اذان ہوئی ان کے لئے اللہ پاک کے

عذاب سے شام تک امان ہے اور جن میں شام کو اذان ہوئی ان کے لیے اللہ پاک کے عذاب سے صبح تک امان ہے۔ (طبرانی) آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں جنت میں گیا اس میں موتی کے گنبد دیکھے اس کی خاک مشک ہے فرمایا اے جبرائیل یہ کس کے لیے ہے عرض کی حضور ﷺ کی امت کے مؤذنوں اور اماموں کے لیے۔

(مسند ابویعلی)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں نیک اذان دیں اور جو تم میں سے قاری ہوں وہ امامت کریں۔۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اذان دینے والے کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے اس کی بخشش مانگتی ہے اور نماز میں حاضر ہونے والے کے لیے پچیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور نماز دو نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے جب اذان کہی جاتی ہے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان کی آواز اسے نہ پہنچے جب اذان پوری ہوتی ہے چلا جاتا ہے پھر جب اقامت کہی جاتی ہے بھاگ جاتا ہے جب پوری ہولیتی ہے آجاتا ہے اور خطرہ ڈالتا ہے کہتا ہے فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر وہ جو پہلے یاد نہ تھی یہاں تک کہ آدمی کو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کتنی پڑھی۔ جب مؤذن اذان پڑھنے لگے تو دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان پڑھے۔ جب تکبیر پڑھے تو ایسا نہ کرے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جو موذن رسول ﷺ ہیں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالا کریں اور فرمایا ایسا کرنے سے تمہاری آواز اونچی ہوجائے گی۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس ابطح میں آیا (ابطح منیٰ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) آپ ﷺ سرخ خیمے میں تھے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور انہوں نے اذان دی تو اپنی اذان میں (حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کے وقت) گھوم گئے اور انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال رکھی تھیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ پورے وقت پر اذان دیتے اذان کے وقت میں دیر نہ کرتے لیکن اقامت میں کبھی دیر کردیتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیۡر' مِنَ النَّوۡمِ (نماز نیند سے بہتر ہے) کہنے کا حکم فرمایا اور عشاء کی اذان میں اس سے منع کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فجر کی نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ آرام فرما ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا اَلصَّلٰوۃُ خَیۡر' مِنَ النَّوۡمِ یعنی نماز نیند سے بہتر ہے تو یہ الفاظ فجر کی اذان میں زیادہ کردیئے گئے اور یہی حکم جاری رہا۔ آج کل اکثر نمازیوں کی عادت ہوتی ہے کہ جماعت کے وقت ہی مسجد میں آتے ہیں اور تکبیر پڑھنے والے کی جگہ پر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اذان پڑھنے والے کی اجازت کے بغیر تکبیر پڑھنا شروع کردیتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ تکبیر پراسی کا حق ہے جو اذان پڑھے ہاں اذان پڑھنے والا اگر باخوشی اجازت دے دے اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا آپ ﷺ نے مجھے اذان کا حکم دیا میں نے اذان دی پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تیرے صدا لگانے والے بھائی نے اذان دی ہے اور جو کوئی اذان دے وہی تکبیر بھی کہے۔ جو لوگ اللہ پاک اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا کی خاطر اذان پڑھتے ہیں ان کو نہ قیامت کے دن کچھ خوف ہوگا نہ کچھ غم۔ جب اذان ہونے لگ جائے تو سب کام چھوڑ کر اذان کا جواب دینا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب جن کا بظاہر کوئی بہت بڑا نیک عمل نہ تھا وہ فوت ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی موجودگی میں فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کردیا۔ اس پر لوگ متعجب ہوئے کیونکہ بظاہر ان کا کوئی بڑا عمل نہ تھا چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ان کے گھر گئے اور ان کی بیوہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ان کا کوئی خاص عمل تو ہمیں بتایئے تو انہوں نے جواب دیا اور تو کوئی خاص بڑا عمل مجھے معلوم نہیں صرف اتنا جانتی ہوں کہ دن ہو یا رات جب بھی وہ اذان سنتے تو جواب ضرور دیتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن اذان دے تو تم بھی وہی الفاظ دہرالیا کرو۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دن اور رات میں جب بھی ان کے پاس ہوتے اور مؤذن کی سنتے تو وہی الفاظ دہراتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ فرمایا مؤذنوں کا حشر یوں ہوگا کہ جنت کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے ان کے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ آگے ہوں گے سب کے سب بلند آواز سے اذان کہتے آئیں گے۔ لوگ ان کی طرف نظر کریں گے پوچھیں گے یہ لوگ کون ہیں کہا جائے گا یہ امت محمدیہ ﷺ کے مؤذن ہیں لوگ خوف میں ہیں اور ان کو خوف نہیں لوگ غم میں ہیں ان کو غم نہیں۔ امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مؤذن اذان دے جو شخص اس کی مثل کہے اور جب وہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہے تو یہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے جنت میں داخل ہوگا۔

آقا ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا اے عورتو! جب تم بلال رضی اللہ عنہ کو اذان و اقامت کہتے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی کہو کہ اللہ عزوجل تمہارے لیے ہر کلمہ کے بدلے ایک لاکھ نیکیاں لکھے گا اور ایک ہزار درجات بلند فرمائے گا اور ایک ہزار گناہ مٹائے گا خواتین نے یہ سن کر عرض کی یہ عورتوں کے لئے ہے مردوں کے لیے کیا ہے؟ فرمایا مردوں کے لئے دگنا۔ (کنزالعمال)

اذان واقامت کے جواب کا طریقہ

مؤذن صاحب کو چاہیے کہ اذان کے کلمات ٹھہر ٹھہر کر کہیں اللہ اکبر اللہ اکبر دونوں مل کر (بغیر سکتہ کیے ایک ساتھ پڑھنے کے اعتبار سے) ایک کلمہ ہیں دونوں کے بعد سکتہ کرے یعنی چپ ہوجائے اور سکتہ کی مقدار یہ ہے کہ جواب دینے والا جواب دے لے سکتہ کا ترک مکروہ ہے اور ایسی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ (درمختار) جواب دینے والے کو چاہیے کہ جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر سکتہ کریں یعنی خاموش

ہوں اس وقت اللہ اکبراللہ اکبر کہے اسی طرح دیگر کلمات کا جواب دے جب مئوذن پہلی بار اشہدان محمدالرسول اللہ کہے تو جواب دینے والا یہ کہے (صلی اللہ علیک یارسول اللہ) جب دوبارہ کہے تو جواب دینے والا یہ کہے (قرۃ عینی بک یارسول اللہ) اور ہر بار انگوٹھوں کو کے ناخن آنکھوں سے لگالے آخر میں کہے (اللھم متعنی بالسمع والبصر) جوایسا کرے سرکار مدینہ ﷺ اسے اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے جواب میں چاروں بار لاحول ولاقوۃ الاباللہ کہے۔الصلوٰۃ خیرمن النوم کے جواب میں یہ کہے صدقت وبررت وبالحق نطقت کہے اقامت کا جواب مستحب ہے اس کا جواب بھی اسی طرح ہے فرق صرف اتنا ہے قدقامت الصلوٰۃ کے جواب میں کہے اقامھا اللہ مادامت السمٰوٰت والارض کہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اذان سننے کے بعد اپنے آقا ومولیٰ ﷺ پر درود شریف بھی پڑھے آقا ﷺ نے فرمایا جب مئوذن کو سنو ایسا کہو جیساوہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو بے شک جو مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ پاک اس پر دس بار رحمتیں نازل کرتا ہے پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو بے شک وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ کے سوا کسی کے لائق نہیں اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں جو میرے لیے وسیلہ کا سوال کرے گا اس کے لیے شفاعت واجب ہوجائے گی۔ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ)

مئوذن جب اذان کا ارادہ کرے تو آقا ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھے یہ تو یہ مستحب و محبوب امر ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے تو اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہوگی:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ اِنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًامَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہ

"اے اللہ اس پوری ہونے والی دعا اور قائم ہونے والی نماز کے مالک تو محمد ﷺ کو وسیلہ فضیلت اور بلند مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود تک پہنچادے جس کا تونے ان سے وعدہ کیا ہے"۔

اذان کے چند ضروری مسائل

☆ ایک شخص کو ایک وقت میں دومسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے۔ (درالمختار)

☆ بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے اور بیٹھ کردی جانے والی اذان کو لوٹایا جائے۔ (عالمگیری)

☆ اذان دینے کے وقت قبلہ کی طرف منہ ہونا چاہیے اگر قبلہ کی طرف منہ نہ ہو تو اذان دی گئی تو مکروہ ہے اور اسے دوبارہ لوٹانا چاہیے۔ (درمختار)

☆ اذان دیتے وقت بلاعذر کھنکارنا مکروہ ہے ہاں آواز صاف کرنے کے لئے کھنکارنا حرج نہیں۔ (بہارشریعت)

☆ اذان کے درمیان بات چیت کرنا منع ہے اگر کوئی بات کرلی جائے تو نئے سرے سے اذان دینی چاہیے۔

☆ اذان میں لحن حرام ہے مثلاً اللہ یا اکبر کے ہمزہ کو مد کے ساتھ یااللہ اکبر پڑھے اسی طرح اکبر میں بے کے بعد الف بڑھانا بھی حرام ہے۔

☆ اذان منارہ پر اور خارج مسجد میں کہی جائے مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔

☆ اذان کا وقت داخل ہوجائے تو اذان پڑھی جائے وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے وقت سے پہلے دی جانے والی اذان کو وقت کے اندر لوٹایا جائے۔

☆ سمجھدار بچہ بھی اذان دے سکتا ہے۔

☆ بے وضو کی اذان صحیح ہے مگر بے وضو کی اذان کہنا مکروہ ہے۔

☆ خنثیٰ فاسق اگرچہ عالم ہی ہو نشہ والا پاگل بے غسلا اور ناسمجھ بچے کی اذان مکروہ ہے ان سب کی اذانوں کا اعادہ کیا جائے۔

☆ جب اذان ہو تو اتنی دیر سلام وکلام اور جواب سلام اور تمام کام موقوف کردیجئے یہاں تک کہ تلاوت بھی اذان کو غور سے سنیے اور جواب دیجیے اقامت میں بھی اسی طرح کیجیے۔

☆ جو اذان کے وقت باتوں میں مشغول رہے اسکا معاذ اللہ خاتمہ برا ہونے کا خوف ہے۔ (بہارشریعت)

اذان کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِیْلَۃَوَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ

مسجد میں اذان دینا خلاف سنت ہے

آج کل اکثر مسجد کے اندر ہی اذان دینے کا رواج پڑ گیا ہے جو کہ خلاف سنت ہے عالمگیری وغیرہ میں ہے اذان خارج مسجد میں کہی جائے مسجد میں نہ کہی جائے۔ (فتاوٰی عالمگیری)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک بار بھی ثابت نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو۔سیدی اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں مسجد میں اذان دینی مسجد و دربار الٰہی کی گستاخی ہے۔صحن مسجد کے نیچے جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں وہ جگہ خارج مسجد ہوتی ہے وہاں اذان دینا بلاتکلف مطابق سنت ہے۔جمعہ کی اذان ثانی جو آج کل خطبہ سے قبل مسجد میں خطیب کے منبر کے سامنے مسجد کے اندر دی جاتی ہے یہ بھی خلاف سنت ہے۔جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد کے باہر دی جائے مگر مئوذن خطیب کے سامنے ہو۔اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احیائے سنت علماء کا تو خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لیے حکم عام ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے شہر یا کم ازکم اپنی اپنی مساجد میں اذان اور جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر دینے کی سنت کو زندہ کریں اور سو سو شہیدوں کا ثواب لیں۔اللہ پاک ہم سب کو دین اسلام کی تعلیمات پر چلنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ بروز قیامت ہم اللہ پاک کی جنت اور محبوب ﷺ کی شفاعت کے حقدار بن جائیں۔

آمین بجاہ النبی الامین

ہوئے تھے چاک کیا کیا جیب و داماں یاد آتے ہیں
ہمیں پھر آج ایامِ بہاراں یاد آتے ہیں

سید ریاض حسین شاہ

گرمیوں کی دوپہر تھی اور سورج کی شعلہ ریز اور لوخیز کرنوں سے سرسبز درختوں کے پتے جھلسے ہوئے تھے۔ فضائے وادی سلگ رہی تھی۔ دیہات کے معصوم بچے کہیں کہیں کھیلتے دکھائی دے رہے تھے لیکن ان کے چہرے شیشے کی طرح درک رہے تھے۔ گاؤں کا ایک حساس بچہ شہر خموشاں، ''قبرستان'' میں الواح قبور پر نجانے کیا لکھا تلاش کر رہا تھا کہ اچانک لالہ جی علیہ الرحمۃ کا قبرستان میں ورود کرم ہوا اور تیز سی آواز میں آپ فرمانے لگے:

''او چھوٹے شاہ جی!''

''دیوانے یہاں کیا تلاش کر رہے ہو چلو گھر چلتے ہیں۔''

یہ فرمایا اور چھوٹے لڑکے کے ساتھ آہستہ آہستہ کوٹنالی قصبہ میں سادات کے گھروں کی جانب بڑھنے لگے دفعۃً شہنائیاں بجنے کی آواز گونجی۔ بربط شیطانی آوازیں اگلنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں کا گاؤں ان آوازوں کی طرف طوفاں کی طرح بڑھنے لگا۔ معلوم ہوا کوئی پیر صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ رقص و سرود، ناچ و رنگ، ڈھول و سارنگی اور نغمہ و نے کے خروش راحت سوز میں وہ پیر صاحب ڈوبے ہوئے تھے۔۔۔۔۔۔

کوٹنالی کے پربت اور وادیاں آج دیکھ رہی تھیں کہ دو پیر اس قریہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ایک سادگی کی تصویر اور دوسرا اسیر بندِ تزویر، ایک ذکر و فکر میں مست، دوسرا نشہ و سکر میں ننگ ہست، ایک لباس عجز و فقر میں ملبوس دوسرا کبر و تکبر میں ملفوف، ایک نور ریش دار دوسرا منہ منڈھ تارک سنت رسول علی صاحبہ الصلوۃ والسلام، ایک پیدل دوسرا سوار۔ دھیرے دھیرے دونوں گاؤں کی طرف بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دوراہے پر دونوں آمنے سامنے آ گئے۔ حضرت لالہ جی کلمہ تمجید کا ورد فرمانے لگے۔ نجانے بربط و نے کے مستانوں کو کیا اشارہ ملا کہ حضرت کو دیکھ کر وہ پورے جوش اور ولولے سے موسیقیت کا طوفان اٹھانے لگے۔

نوجوان ڈھول کی تان پر بھنگڑا ڈالتے ''چیچ تن ایک نعرہ حیدری'' ڈی۔۔۔ ڈی نعروں کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ سرمایہ فقر حیدری کے امین و پاسبان حضرت لالہ جی علیہ الرحمۃ نے شبنمی انداز میں فرمایا: ''اللہ اکبر۔۔۔!'' محسوس ہوا یہ دھیمی دھیمی آواز تمام آوازوں پر غالب آ گئی ہے۔ بدعت زدہ جلوس نے راستہ بدل لیا اور لالہ جی مسجد کی طرف بڑھے تھوڑا چلے اور پھر حسب عادت رک گئے اور ایک سید صاحب کو مخاطب فرمایا اور ہجوم مبتدعین پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔

''یہ وہ مسکین لوگ ہیں جنہیں فقر اور ولایت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ انہیں کون سمجھائے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر بدعت کا ٹھکانہ آگ ہے۔ یہ بیچارے کبھی اپنے اللہ کے سامنے جھکے ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا سرور قرب و معرفت کیا ہے؟ بولے'' شاہ جی! ولایت رسول ﷺ اللہ کی کمال اطاعت کا نام ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو در رسول ﷺ سے دُور کر لیتا ہے اسے سزا یہ ملتی ہے کہ زندگی بھر میراثی اسے گھیرے رکھتے ہیں اور گور و کفن بھی انہی کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ اگر اس گاؤں کے سادات نے احیائے دین اور خدمت حق کا کام جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا اور یہاں کے بہت سے لوگ نور و رحمت کی تلاش کو اپنی منزل بنا لیں گے''۔

مسجد سے آپ گھر پہنچے۔ کھانا تناول فرمایا۔ دس پندرہ آدمی حلقہء ارادت میں داخل ہوئے۔ سب کو شریعت مطہرہ کی پاسداری کی تلقین فرمائی۔ بے ریش لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے چہروں پر داڑھی سجائیں۔ یہ جمیع انبیائے کرام کی سنت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ ایک ریش منڈھے آدمی کو دیکھ کر حضور ﷺ نے اپنا چہرۂ انور دوسری طرف پھیر دیا تھا۔ اس سے بڑا عتاب اور کیا ہوگا کہ کسی شخص سے آنحضرت ﷺ ناراض اور ناراحت ہو جائیں۔ العیاذ باللہ العزیز۔۔۔۔ حلقہء ذکر قائم ہوا جو لوگ سلسلہ میں نہیں تھے اٹھ کھڑے ہوئے، صرف ایک سید لڑکے کو وہاں بیٹھنے کی اجازت ملی۔ باقی سب لوگ ذکر کر رہے تھے اور وہ لڑکا حضرت لالہ جی کا چہرہ دیکھ رہا تھا، دیکھتے دیکھتے ان کا رُخ زیبا اس کی روح میں کھب گیا۔

تاب برداشت نہ ہوئی تو وہ حضرت کے قدموں میں گر گیا، اب آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ لیکن حضرت کی ذات سے وہ ایک خوشبو پا رہا تھا ایسی خوشبو جو نہ تو برگ حنا کی تھی اور نہ ہی گلاب و یاسمین کی وہ تھی، پاکیزگی اور طہارت کی خوشبو۔۔۔۔ پیار اور محبت کی خوشبو۔ بے غرضی اور انسان دوستی کی خوشبو۔۔۔ سادگی اور معصومیت کی خوشبو۔۔۔ لِلّٰہیت اور فقر غیور کی خوشبو۔۔۔۔۔!!

وہ عجب آزاد مرد تھا جس کے بدن کی خوشبو تو شاید اس کی قبر کی سوندھی مٹی سے آتی ہوگی لیکن اس کی روح کی خوشبو اس وقت تک آتی رہے گی جب تک نسیم سحر دھیمے دھیمے اور دھیرے دھیرے بہار صبح کو لوریاں دیتی رہے گی۔۔۔۔ آؤ یاد کریں اس وفا کے حسن کو اور آؤ سونگھیں اس وفا پرستی کی خوشبو کو جس کے فراق پر کہا جا سکتا ہے۔

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند
تہی خم خانہ را کردند و رفتند

اب تو باتیں ہی باتیں رہ گئیں سوائے خیالوں کی دنیا کے اور بچا بھی کیا ہے۔

ہوئے تھے چاک کیا کیا جیب و داماں یاد آتے ہیں
ہمیں پھر آج ایام بہاراں یاد آتے ہیں
دل اپنا الجھا الجھا ہے طبیعت بکھری بکھری ہے
نہ جانے کس کے گیسوئے پریشاں یاد آتے ہیں

مسالك الحنفاء إلى مشارع الصلاة على النبي المصطفىٰ صلى الله عليه وآله وسلم

قسط7

ترجمہ وتحقیق: علامہ آصف محمود

مجھے ادیب علامہ شعبان ال آثاری کے اشعار مسرور کردیتے ہیں۔انہوں نے کہا......

یا خیرَ خلقِ اللہ یا مَنْ ذِکْرُہٗ
وحَدیثُہٗ للخَلقِ فیہ مربعٌ
ولہ خصائصُ نالھا مِنْ ربّہ
مالامرئٍ فیھا سوا ھا مطمعٌ
قَرنَ الا لہ اسم النبی مع اسمہ
ولدیہ فی یوم القیامۃ یشفعٌ
و بمدحہ نطق الکتاب وکم اتت
من آیۃ بالمدح فیھا تسمعٌ
وَنداؤہ من ربہ: یا أیھا
و أنا لہ خمسا بھا یترفَعٌ
حتی الصلاۃ علیہ واجبۃ اذا
ذُکِرَ اسمہ و لہ المقام الارفعٌ
صلّوا علیہ فمن یصلی مرۃ
صلی علیہ اللہ عشرا تتبعٌ
یا ربنا بحیاتہ و بحقہ
جُد بالقبول فباب فضلک مُشرعٌ

"اے اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر، اے جس کا ذکر اور جس کی باتیں مخلوق کے لیے فیض رسا ہیں، اور ان کی خوبیاں ایسی ہیں جو انہوں نے اپنے ربّ سے پائی ہیں اور وہ خصائص ایسے ہیں جو اُن کے غیر میں ان کے مثل دکھائی نہیں دیتے۔ بارالہٰ نے اپنے (محبوب کے) نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا اور حشر کے روز وہ اُس کی بارگاہ کے شفیع ہوں گے اور اُن کی تعریف میں قرآن ناطق ہے اور کتنی ہی آیات اُن کی مدح میں تم سُن رہے ہو اور اُن کے ربّ کی جانب سے انہیں ندا ہے۔ اے وہ ہستی جس کا نام پانچ اذانوں میں بلند کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کا اسمِ گرامی لیا جائے تو ان پر درود پڑھنا واجب ہو جاتا ہے اور ان کے لیے (کس قدر) بلند مقام ہے۔اُن پر درود پڑھو پس جس نے ایک بار درود پڑھا اللہ ربّ العزت کی اُس پر دس رحمتیں نازل کی جائیں گی۔ اے پروردگار ہمارے! آپ ﷺ کی حیات اور آپ ﷺ کے حق کے ساتھ ہماری کوشش قبول فرما پس تیرا دروازہ فضل وعنایات والا ہے"۔

آپ ﷺ کا ذکر مبارک آنے پر درود واجب ہونے کے قائل ائمہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ کہ بعض نے پڑھا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟

کثیر ائمہ کے ہاں یہ فرض عین ہے اور دوسری رائے ابواللیث سمرقندی کے مطابق حنفیہ کی ہے۔ (ابواللیث سمرقندی) نے اسے اپنے معروف مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

(یہاں) دو باتیں توجہ طلب ہیں:

پہلی۔ آپ ﷺ پر درود پڑھنے کی نذر ماننے سے درود واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ قرب کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اور افضل عبادات میں سے ہے اور سب سے حسین انداز اطاعت ہے

مَنْ نَذَرَ أَنْ یُطِیْعَ اللّٰہَ فَلْیُطِعْہُ (۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا پس اسے چاہیے کہ وہ اطاعت کرے۔"

دوسری۔ کیا نبی کریم ﷺ کا اپنی ذات پر درود پڑھنا واجب ہے۔ (قسطلانی فرماتے ہیں) "ہمارا مذہب یہ ہے کہ واجب ہے اور ھدایۃ" (فقیہ حنفی کی معتبر کتاب) کی بعض شروحات میں ہے کہ آپ ﷺ پر واجب نہیں ہے۔

فصل

نماز میں درود مبارک پڑھنے اور آپ ﷺ کا ذکر آنے پر درود کے عدم وجوب کی رائے رکھنے والوں نے سابقہ دلائل کے جوابات دیے ہیں۔

۱۔ اگر آپ ﷺ کا ذکر آنے پر ہر مرتبہ درود پڑھنا واجب ہوتا تو یہ واجبات میں سے سب سے زیادہ واضح ہوتا اور آپ ﷺ اسے اپنی امت کو ضرور بیان فرما دیتے۔

۲۔ یہ (وجوب کا قول) ایسا قول ہے کہ صحابہ و تابعین میں سے اس کے متعلق کوئی بھی نہیں جانتا اور نہ تابعین سے (ایسا قول مروی ہے) اور نہ ہی (علماء اسلام) میں سے کوئی ایسے قول کی خبر رکھتا ہے، بس یہ تو فرضی رائے پیش کی گئی ہے۔

۳۔ سلف صالحین جو ہمارے لیے نمونہ عمل ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا کہ ان کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوتا تو وہ درود مبارک کو آپ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ نہ پڑھتے اور ایسا اکثر ہوتا کہ وہ آپ ﷺ کو مخاطب فرماتے تو یہ کہتے۔ "یا رسول اللہ وہ اسی پر اکتفا کرتے۔" (یعنی آگے درود نہ پڑھتے) پس اگر ان پر درود پڑھنا ان کے ذکر کے وقت واجب ہوتا تو آپ ﷺ درود ترک کرنے پر تنبیہ فرماتے۔

۴۔ اگر درود مقدس پڑھنا واجب ہوتا تو مؤذن اور سامع پر بھی واجب ہوتا جب مؤذن "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ" کہتا یہ اذان میں ان دونوں (یعنی مؤذن اور سامع) کے لیے لازم و مقرر نہیں ہے اور ان پر واجب نہیں کیا گیا۔

۵۔ اگر درود پڑھنا واجب ہوتا تو قرأت کرنے والے پر لازم ہوتا کہ وہ جب آپ ﷺ کے ذکر

مبارک سے گزرے تو ان پر درود بھیجے اور اپنی قرأت کو اس واجب کی ادائیگی کے لیے روک دے۔ چاہے ایسا حالت نماز میں ہو یا غیر نماز میں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ واجب تھا تو صحابہ کرام اور تابعین عظام اس کام کی ادائیگی میں شدت اختیار کرنے والے اور جلدی کرنے والے تھے اور اس میں مشقت اٹھانا اور حرج واقع ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں۔

(مذکورہ) اعتراضات کا جواب وہ احادیث ہیں جن سے درود کے وجوب پر استدلال کیا گیا کہ یہ روایات ذاتِ رسول ﷺ سے خاص موقع کی مناسبت سے مبالغے اور تاکید کے ساتھ صادر ہوئیں اور اُن لوگوں کے متعلق جنہوں نے درود شریف کو ترک کر دیا ہے۔

نماز سے باہر درود کے وجوب پر دوسرا قول

ہر مجلس میں آپ ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے اگرچہ اس مجلس میں آپ ﷺ کا ذکر بار بار ہو۔ اس قول کو زمخشری نے روایت کیا۔

ترمذی نے بعض اہل علم سے روایت کیا کہ جب کسی شخص نے آپ ﷺ پر ایک بار درود پڑھ لیا تو مجلس میں موجود باقی لوگوں کی طرف سے ادا ہو گیا۔

ہدایہ کی بعض شروحات میں ہے کہ اگر کسی مجلس میں اللہ کا ذکر بار بار ہوا تو ایک ہی بار حمد وثناء کرنا کافی ہے، اور اسی طرح آپ ﷺ کا ذکر بار بار ہوا تو صحیح قول کے مطابق ایک بار ہی درود پڑھنا اسے کافی ہے۔

حلیمی نے ان آراء کے درمیان نہایت حسین فرق بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ”اور جب ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کے وقت درود کے وجوب کا کہا تو اگر مجلس ایک ہی ہے اور (وہ) مجلس علم یا احادیث کی روایت کی مجلس تھی تو اس بات کا احتمال ہوگا کہ یوں کہا جائے (کہ اس مجلس میں ایک بار ہی آپ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے) اور اگر یہ ایسی مجلس نہیں تھی تو میری رائے میں جب بھی آپ ﷺ کا ذکر ہو گا آپ ﷺ پر درود پڑھنا لازم ہوگا، اور اس میں تاخیر کی رخصت نہیں دی جاتی، کیونکہ آپ ﷺ کا ذکر چھینک مارنے والے سے کم تر تو نہیں ہے۔ (یعنی چھینک مارنے والا بھی الحمدللہ فوراً کہتا ہے)۔

قسطلانی نے کہا کہ جس نے آپ ﷺ کے ذکر کے وقت درود نہ پڑھا، پھر مستقبل میں تو بہ استغفار کے بعد درود پڑھ لیا تو ہم اس کے گناہ کی معافی کی امید رکھتے ہیں اور اسے ارادۃً ایسا کرنے والا نہیں کہا جائے گا۔

نماز سے باہر درود کے وجوب پر تیسرا قول

پوری عمر میں ایک بار پڑھنا واجب ہے:

یہ قول (امام) ابو حنیفہ، مالک، سفیان ثوری، اوزاعی سے نقل کیا گیا کیونکہ مطلق امر (یعنی حکم) تکرار کا تقاضا نہیں کرتا اور کسی چیز کی ماہیت تکرار سے حاصل ہوتی ہے۔

قاضی عیاض اور ابو عمر ابن عبد البر نے کہا کہ یہ قول جمہور ائمہ کا ہے۔ ابو عبداللہ القرطبی نے فرمایا کہ پوری عمر میں ایک بار پڑھنے کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور درود کا ہر آن پڑھنا واجب ہے اور یہ وجوب سنت مؤکدہ ہے (یعنی یہ سنت مؤکدہ قریب الواجب ہے) ابن عطیہ نے کہا:

”نبی کریم ﷺ پر ہر حال میں درود پڑھنا واجب ہے اور سنت مؤکدہ ہے۔ ایسا مؤکدہ جس کے چھوڑنے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی جائے گی اور اس سے غفلت نہیں برتی جائے گی۔ سوائے اس وقت جب درود کا پڑھنا مناسب نہ ہو“۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَلَا دِيْنَ لَهُ ”جس نے مجھ پر درود نہ پڑھا اس کا کوئی دین نہیں“۔

اس روایت کو حمدان المروزی کی سند سے بواسطہ ابن مسعود انہی الفاظ سے روایت کیا گیا۔

نماز سے باہر درود کے وجوب پر چوتھا قول

درود کا وجوب بغیر کسی معین تعداد کے ہے:

جان لو کہ (آیت مبارکہ کے حکم کے تناظر میں) درود شریف کا ایک مرتبہ ادا کرنا کافی ہے۔ ائمہ مالکیہ میں سے بعض نے اس رائے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

ابن القصار جو اصحاب (مالکیہ) کے امام ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا مشہور قول یہ ہے کہ درود شریف کا پڑھنا من جملہ ہر انسان پر فرض ہے اور کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے اگرچہ (اس سے زیادہ پڑھنے کی) قدرت رکھتا ہو۔ فاکہانی نے ابن القصار کے یہ کہنے کو ”مشہور قول ہمارے اصحاب کا یہ ہے“ اس کی طرف توجہ کی جائے کہ کیا یہ اس بات کا مفہوم ہے کہ درود کے واجب نہ ہونے کا قول شاذ ہے یا اس بات کا مفہوم نہیں ہے، اور وہ (یعنی ابن القصار) اس بات کا ارادہ کرتا ہے کہ اس کا یہ قول اصحاب (مالکیہ) کے مشہور اقوال میں سے ہے کیونکہ وہاں (یعنی ائمہ کے نزدیک) اس کے مخالف قول بھی ہے اور پہلا قول اگر اس میں تاویل نہ کی جائے تو (ائمہ مالکیہ کے ہاں یہی) قول ظاہر ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس مذکورہ قول مشہور سے طبری h کے قول کے ذریعہ بچا جا سکے، یعنی انہوں نے جیسے کہا کہ درود شریف عمر میں ایک مرتبہ مستحب ہے اور انہوں نے اس پر اجماع کا بھی دعویٰ کیا جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

قاضی ابو محمد ابن نصر نے کہا۔ ”نبی ﷺ پر درود پڑھنا من جملہ واجب ہے“۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجھ پر درود پڑھا کرو“۔

”ﷺ“

ابی عدی نے اپنی کامل میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تم مجھ پر درود پڑھو اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے گا“۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”صَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ زَكَاةٌ لَكُمْ

”مجھ پر درود پڑھا کرو بے شک تمہارا مجھ پر درود بھیجنا تمہارے لیے زکوٰۃ ہے“۔

امام احمد اور ابو الشیخ نے کتاب ”الصلاۃ النبویۃ“ میں اس روایت کو نقل کیا۔ اسی طرح ابن ابی عاصم نے بھی اسے نقل کیا۔ ان کی سند پر ضعف کا طعن ہے۔

حارث اور ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مسند میں بھی اسے روایت کیا، پھر اگر تم یہ کہو کہ آپ ﷺ کا اپنی امت سے دعا کی طلب کا کیا معنی ہے۔

اس کا جواب امام غزالی نے دیا:

”بے شک دعائیں ربّ تعالیٰ کے فضل، اس کی نعمت اور رحمت میں کثرت کے لیے ہوتی ہیں، خصوصاً جب وہ دعائیں اجتماعات کی صورت میں ہوں جیسے جمعہ، عرفات، نمازوں کی جماعتیں پس جب ہمتوں کو اکٹھا کیا جائے اور طلب کی جانب مبذول کیا جائے جو جس طلب کے وجود کا امکان (یعنی قبولیت دعا کا امکان و محل موجود ہو) جیسے بارش اور وبا کو دُور کرنے کے لیے دعا کی جائے تو قرب الٰہی پانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے اور یہ فیض اُن اہلِ صفا کے دم قدم اور

تصدق جاری رہتا ہے جنہیں ربّ کبریا کی جناب سے عالم اسفل کے امور کی ذمہ داری تفویض فرمائی گئی ہے، اور بے شک یہ تگ ودو ارواح بشریہ اور ارواحِ روحانیہ کے درمیان مناسبت رکھتی ہے۔ یہ ارواح ان جواہر کے ساتھ نسبت رکھتے ہیں اور اس نسبت کے درمیان جو شے رکاوٹ پیدا کرتی ہے وہ خواہشات کی میل ہے اسی لیے جو قلوب تزکیہ وطہارت کی دولت سے معمور ہیں وہ ان (اذکار و درود وسلام) کی بدولت ہمت و ارادے میں سریع التاثیر ہیں، اور جتنا گریہ وزاری خشوع وخضوع زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ قلوب ونفوس اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہوں گے، کیونکہ گریہ و زاری، خضوع اور ابتہال دل سے خواہشات کی کدورت کو فوراً پگھلا دیتا ہے اور قلب کو صاف کر دیتا ہے۔ اسی خاطر اجتماع کی دعا میں خطا نہیں ہوتی اور وہ مقاصد کو پا لینے والی ہوتی ہے اور جماعت کے ساتھ نشست گاہ میں بیٹھنا پاکیزہ قلوب سے خالی نہیں ہوتا اور مل بیٹھ کر دعا مانگنا اس کی تاثیر کو بڑھا دیتا ہے اور خصوصاً جب دعائیں فضل کی کثرت کو کھینچ لانے میں تاثیر رکھتی ہیں اور ربّ العالمین نے جو رسولِ کریم ﷺ سے حوضِ کوثر، مرتبہ شفاعت اور مقامِ محمود کا وعدہ فرما رکھا ہے ان انعاماتِ باری کا کوئی شمار نہیں پس آپ ﷺ کے لیے ان تکریمات کا حصول دعاؤں اور درود وسلام سے بڑھانے میں مدد ومعاون ہے اور یہ بھی کہ اس سے رحمت عالم علیہ التحیۃ والثناء کو راحت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

"اِنِّیْ اُبَاهِیْ بِکُمُ الْاُمَمَ"

"بے شک میں باقی امتوں پر تمہارے سبب فخر محسوس کروں گا"۔

بے شک یہ آپ ﷺ کی اپنی اُمت پر شفقت ہے کہ انہیں اس چیز کا شوق دلانا جو ان کے حق میں بہتر ہو (یہ درودِ مقدس اپنے محبوب رسول ﷺ) کے قرب کا ذریعہ ہے، اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے کیونکہ درود صرف ایک نیکی نہیں بلکہ کئی نیکیاں ہیں۔

اور اس درود کے سبب سب سے پہلے ربّ ذوالجلال پر ایمان کی تجدید ہوتی ہے، پھر دوسری (نعمت یہ کہ) رسول ﷺ پر ایمان کی تجدید ہوتی ہے، پھر تیسری (نیکی) کہ آپ علیہ الصلوات والتسلیمات کی تعظیم وتکریم ہے، پھر چوتھی (نعمت یہ کہ) ان پر اکرامات کی طلب سے ربّ کی عنایات کا حصول ہوتا ہے۔

پانچویں چیز یہ عطا ہوتی ہے کہ آخرت پر ایمان و یقین کی تجدید ہوتی ہے، پھر چھٹی (نعمت) یہ کہ اللہ ربّ العالمین کا ذکر ہوتا ہے، اور (یہ بھی کہ) صالحین کے ذکر کے وقت (اللہ) کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ (اگر صالحین کے ذکر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور آپ ﷺ تو سید الصالحین ہیں)

ساتویں (نعمت یہ ہے کہ) آپ ﷺ کے آل پاک کی تعظیم آپ ﷺ کی نسبت سے حاصل ہوتی ہے۔

آٹھویں چیز آلِ پاک سے مودت کا اظہار ہوتا ہے۔

نویں چیز یہ ہے کہ دعا میں عاجزی وخشوع وخضوع آتا ہے اور دعا عبادتوں کا مغز ہے۔

پھر دسویں چیز اس بات کا اعتراف ہے کہ تمام امور اللہ ربّ العالمین کی جناب سے ہوتے ہیں اور بے شک نبی اگرچہ بے پایاں کمالات کے حامل ہیں مگر وہ اپنے ربّ کی رحمتوں کے محتاج ہیں۔

پس یہ دس نیکیاں اس کی مثل ہیں جیسا کہ قرآن میں آتا ہے کہ ایک نیکی دس کے برابر ہے۔

نماز سے باہر درود کے وجوب پر پانچواں قول

آپ ﷺ پر کسی خاص مقام کے تعین کے بغیر درود پڑھنا واجب ہے۔ یہ قول امام باقر کا ہے۔

نماز سے باہر درود کے وجوب پر چھٹا قول

بغیر کسی قید (تعین وقت وعدد) کے آپ ﷺ پر درود کی کثرت واجب ہے۔ یہ قول مالکیہ میں سے قاضی ابوبکر بن بکیر کا ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے۔

اِفْتَرَضَ اللّٰهُ عَلٰی عِبَادِهٖ اَنْ یُّصَلُّوْا عَلٰی نَبِیِّهٖ وَیُسَلِّمُوْا، وَلَمْ یَجْعَلْ لِذٰلِکَ وَقْتًا مَعْلُوْمًا، فَالْوَاجِبُ اَنْ یُّکْثِرَ الْمَرْءُ مِنْهَا وَلَا یَغْفُلَ عَنْهَا

"اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجیں اور اس کے لیے کوئی وقت متعین نہیں کیا، پس بندے پر یہ واجب ہے کہ وہ ان پر درود کی کثرت کرے اور اس سے غافل نہ ہو۔"

شیخ ابوعبداللہ بن نعمان نے فرمایا کہ یہ امام ابوبکر بن بکیر کا ارشاد کتنا خوبصورت اور فہم کے قریب تر ہے اور اہل اسلام کے لیے نہایت نفع بخش ہے اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا سب سے افضل اعمال سے ہے اور اسی عمل کے سبب بندے کو معمولات زندگی اور مالی آسودگی کے لیے کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔

البتہ بعض اہل علم نے قاضی ابوبکر بکیر کے اس قول کہ اس کا کوئی وقت معین نہیں پر گرفت کی ہے کیونکہ یہ (احکام) غیبیہ میں دخل اندازی ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے یہ دلیل کہاں سے لائی ہے کیونکہ درود پڑھنے کا حکم مطلق ہے اور اس حکم کی غرض وغایت یہی ہے کہ اس میں کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ ہی اس کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کو مقید کیا جائے۔

بعض ائمہ مالکیہ نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا تمام مسلمانوں پر بغیر تعین عدد وتعین وقت کے فرض ہے۔ ابی بن کعب سے روایت ہے جب رات کا چوتھائی حصہ گزر جاتا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اذْکُرُوا اللّٰهَ، جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِیْهِ، جَاءَ الْمَوْتُ بِمَافِیْهِ۔

"اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ اے لوگوں اللہ کو یاد کرو۔ کھڑکھڑانے والی آ گئی ہے اور اس کے ساتھ ایک اور آ گئی ہے، موت اپنا لشکر لے کر آ گئی ہے موت اپنا لشکر لے کر آ گئی ہے"۔

ابی بن کعب نے کہا۔ میں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! میں دعا کے اندر آپ ﷺ پر درود کی کثرت چاہتا ہوں تو میں آپ ﷺ کے لیے کتنا درود پڑھوں؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "جتنا تم چاہو"۔

میں نے عرض کی: "دعا کا چوتھائی حصہ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "تو جتنا چاہے اور اگر بڑھائے گا تو وہ تیرے لیے بہتر ہوگا"۔

میں نے عرض کی: "دعا کی نصف حصہ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جتنا چاہو اور اگر بڑھاؤ گے تو وہ تمہارے لیے بہتر ہوگا"۔

عرض کی: "دعا کے تین حصے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جتنا چاہو اور اگر تم بڑھاؤ تو بہتر ہے"۔

عرض کی: "یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی تمام دعا آپ ﷺ کے درود میں گزاروں گا"۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تو یہ تیرے مقاصد کی کامیابی کے لیے کافی ہے اور تیرے گناہوں

کی بخشش کا ذریعہ ہو جائے گا''۔

اس حدیث کو ترمذی نے ہناد کی سند سے ان الفاظ کی (تبدیلی سے) نقل کیا کہ رات تین حصے گزر چکی تھی (اسی حدیث کو) امام احمد نے اپنی مسند میں وکیع کی سند سے روایت فرمایا اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں دو جگہ اسے نقل کیا اور فرمایا: ''یہ حدیث صحیح ہے''۔ اسے بخاری و مسلم نے نقل نہیں کیا۔ قاضی اسماعیل نے ان الفاظ کے ساتھ اسے نقل کیا کہ ''رات کے تین حصے گزر چکے تھے اور ابی بن کعب کے الفاظ ان کی روایت میں یہ ہیں کہ میں آپ ﷺ پر رات بھر میں درود پڑھوں گا۔ یہ الفاظ ''درود کی کثرت کروں گا'' کی جگہ قاضی اسماعیل کی روایت میں آئے ہیں۔

اس حدیث میں عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب الہاشمی المدنی راوی ہیں۔ یہ صدوق (یعنی احادیث بیان کرنے میں قابل اعتماد ہیں) (البتہ) ان کی روایات لین (یعنی کمزور) ہیں۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ ان کی روایات سے استدلال نہیں کیا جاتا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ الفاظ میں تغیر کر دیتے ہیں۔

لیکن ابن قیم نے کہا ہے کہ ان کی احادیث سے کبار (ائمہ اسلام) نے استدلال کیا ہے جیسے امام حمیدی، امام احمد، امام اسحق، امام ابن المدینی وغیرھم۔

حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ''رادفہ'' اور ''موت'' کو ماضی کے صیغے کے ساتھ تعبیر کیا اور ایسا ان چیزوں کے یقینی طور پر واقع ہونے اور ان کے قریب ہونے کا شعور دلانے کے لیے کہا اور اس روایت میں اللہ ربّ العزت کے ذکر کی ترغیب اور اس کی جناب میں زندہ ہو کر پیش ہونے کا خوف احوال قیامت کے ساتھ بیان فرمایا۔

پھر برزخ کی منازل میں سے پہلی منزل کی دہشت و خوف کا ظاہر ہونا، پھر فرشتوں کا قبر والے سے جواب لینا (یعنی سوال کرنا) جب بندہ اللہ کا ذکر کرنے والا ہو اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والا ہو تو اس کا دل ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے۔ جب موت آئے اور جب اس کی زندگی میں کسی نعمت کو اٹھا لیا جائے تو وہ اللہ ربّ العزت سے ہمیشہ مدد پاتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ''قال ابی'' کے الفاظ راوی کے ہیں۔ یہاں کلام محذوف ہے جو کہ تقدیراً یہ ہو گا کہ میں ان کے پاس (یعنی ابی بن کعب کے پاس) حاضر تھا یا میں نے ان سے سنا، اور انہوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں درود کثرت سے پڑھنا چاہتا ہوں''۔

حضرت ابی بن کعب کے الفاظ کی ترتیب اس طرح ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر یا دعا یا نماز یہ تمام چیزیں امور شرعیہ میں سے ہیں۔ آپ ﷺ پر درود پڑھنا ان تمام امور سے پہلے اور بعد میں مشروع (یعنی مقرر کر دیا گیا) ہے، پس ابی بن کعب نے گویا یوں کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں اس وقت کے بعد جس میں مجھے اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے آپ ﷺ پر ذکر الٰہی کے بعد کثرت سے درود پڑھوں گا۔

ابی بن کعب کا یہ کہنا کہ ''میں آپ ﷺ پر کتنی بار درود پڑھوں؟'' یعنی میں کثرت سے دعا کرتا ہوں پس میں اپنی دعا میں آپ ﷺ پر کتنی مقدار میں درود بھیجوں؟

اس بات کی تصریح قاضی اسماعیل کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس ایک آنے والا آیا (یعنی جبریل) اور اس نے کہا کہ جو شخص بھی آپ ﷺ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ ربّ العزت اس پر دس بار رحمت فرماتا ہے''۔

ایک شخص اٹھا اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنی آدھی دعا آپ ﷺ پر درود پڑھتا رہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری مرضی''۔

اس شخص نے عرض کی: ''میں تین حصے دعا کے صرف درود ہی پڑھوں گا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیری مرضی''۔

اس نے عرض کی: ''میں اپنی ساری دعا صرف درود ہی کی نذر کروں گا''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تب اللہ تجھے دنیا و آخرت کے تمام غموں میں کافی ہو گا''۔ (یعنی دور فرمائے گا)

اس حدیث میں یعقوب بن زید صغار تابعین میں سے ہیں۔ یہ حدیث مرسل یا معضل ہے۔

(امام فضل اللہ بن حسن) التوربشتی نے فرمایا کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو دعا میں اپنی ذات کے لیے کرتا ہوں اس میں کتنا حصہ میں آپ ﷺ پر درود پڑھوں؟ وہ آپ ﷺ سے مسلسل اس کے متعلق سوال کرتے رہے تا کہ آپ ﷺ انہیں اس درود پڑھنے کے متعلق حد متعین فرما دیں۔

اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اس کو کسی خاص حد تک محدود کرنے کی طرف اشارہ فرمایا، تا کہ اولاً نہ تو اس فضیلت والے عمل کے ساتھ کسی فرض کی گئی عبادت کی مشابہت ہو اور دوسری بات یہ کہ اس کی کثرت باقی رہے تا کہ ربّ تعالیٰ کی رحمتوں کی کثرت کا دروازہ بند نہ ہو جائے، پس اس مقدس عمل کے لیے ترغیب کا قرینہ سکھایا گیا اور اس کی کثرت کے لیے تحریص دلائی گئی یوں حدیث مبارکہ میں اس عمل کے لیے اسی طریقہ کو قائم فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ جب ابی بن کعب نے یہ کہا کہ کیا میں اپنی (دعا) کا سارا وقت آپ ﷺ پر درود بھیجوں گا، یعنی میں اپنی ذات کے لیے دعا کرنے کی جگہ آپ ﷺ کے لیے درود پڑھوں گا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

''إِذاً تُكْفَى هَمَّكَ''

''جب تو یہ تیرے تمام مصائب کے لیے کافی ہو گا''۔ (یعنی تیرے دین و دنیا کے تمام مصائب کے خاتمے کے لیے کافی ہے۔)

اور اس کا سبب یہ ہے کہ درود اللہ ربّ العزت کے ذکر اور آپ ﷺ کی تکریم و تعظیم پر مشتمل ہوتا ہے اور اپنے مقاصد سے بڑھ کر آپ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی، اور اپنی ذات کے لیے کی جانے والی دعاؤں کو آپ علیہ الصلاۃ والتسلیمات کے لیے درود کی صورت ایثار کرنا کس قدر عظیم المرتبت اور رفیع الشان کام اور کرم و ایثار جیسے اعمال ہیں۔

اس حدیث مبارکہ کے مفہوم کی متابعت میں یہ بات بھی حدیث قدسی کے طور پر نقل کی گئی ہے کہ اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ

''جسے میرے ذکر نے دعا سے روکے رکھا میں اسے دعا کرنے والوں سے افضل (نعمتیں) عطا کروں گا''۔

امام طیبی نے فرمایا: ''یقیناً یہ چیز مقرر کر دی گئی کہ جب بندہ نبی کریم ﷺ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے تو اللہ ربّ العزت اس پر اپنی دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں کیونکہ جب وہ اللہ ربّ العالمین کی موافقت میں درود بھیجتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ''إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ'' تو وہ مقربین ملائکہ کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے، پس اُس کی اپنے لیے کی جانے والی دعائیں درود کے برابر کیسے ہو سکتی ہیں۔

(باقی آئندہ)

صبح پڑھو قرآن، شام پڑھو قرآن

قرآن پاک کے نہایت مؤثر پیغامات

ماسٹر احسان الٰہی قصور

قسط 28

75۔ دُعا (اللہ کی نعمتِ عظمیٰ اور مصائب میں جائے پناہ)

قرآن مجید کی سورۃ البقرہ کی آیت 186 میں اللہ ربّ العزت اپنے بندوں کو متوجہ کرتے ہوئے اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ

''اور اے محبوب ! جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے بارے میں تو یقین رکھیے میں اتنا قریب ہوتا ہوں کہ دعا مانگنے والا جونہی دعا مانگتا ہے، میں اس کی دعا قبول کر لیتا ہوں تو انہیں بھی چاہیے کہ میرا حکم مانتے رہیں اور مجھ پر ایمان مضبوط رکھیں تا کہ وہ کامیاب رہیں۔''

اور سورۃ المومن کی آیت 60 میں ارشادِ باری ہے

''اور فرمایا تمہارے ربّ نے تم مجھ سے دعا مانگو میں ضرور قبول کروں گا''۔

لفظ دعا کا مادہ ''دعو'' ہے جس کے لفظی معنیٰ پکارنے یا مانگنے کے ہیں۔ دعا اللہ کی عظیم نعمت اور اپنے بندوں پر احسان ہے جو عبد کو معبود سے مربوط کر دیتی ہے۔ دعا مایوسیوں اور نا امیدیوں میں امید کی کرن ہے۔ جب امید کے تمام دریچے بند ہو جاتے ہیں تو دعا ہی مایوسیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چراغ اور روشنی کا مینارۂ نور ثابت ہوتی ہے اور انسان ایک ایسی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس سے دل کو سکون اور روح کو تازگی اور فرحت میسر آتی ہے اور زمانے کے بے رحم تھپیڑوں میں تحفظ کا احساس اجاگر ہوتا ہے، ظلم و جبر سے ٹکرانے کا حوصلہ ملتا ہے۔ دعا ہی وہ آستانہ ہے جس میں اللہ کے اولیاء اور نیک و برگزیدہ نفوس کو کسی زبردست اور ظالم و جابر کا خوف ہوتا ہے اور نہ انہیں کوئی حزن وملال رنجیدہ و آزردہ کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید، فرقانِ حمید میں دعا کے کچھ راہنما اصول بھی سکھا دیے۔

سورۃ الاعراف کی آیت 55 میں حکم ہوا:

''تم اپنے ربّ سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بے شک وہ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

اور سورۃ الاعراف کی آیت 56 میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور اسی سے دعائیں مانگو اور طمع رحمت سے، بے شک اللہ کی رحمت نیک لوگوں ہی سے قریب ہے''۔

گویا دعا اللہ تعالیٰ سے گفتگو اور راز و نیاز کا ذریعہ ہے۔ رسولِ معظم ومحتشم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''دعا مومن کا ہتھیار ہے''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''عاجز ترین شخص وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو''۔

بابِ مدینۃ العلم امیر المومنین حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ خدا کے نزدیک اہلِ زمین کے تمام اعمال میں محبوب ترین عمل دعا ہے۔ امام جعفر صادق پاک رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ دعا مصیبت کو ٹالتی ہے۔ امام باقر پاک رضی اللہ عنہ کا قولِ مبارک ہے کہ مومن کو خوشحالی کی حالت میں بھی اللہ سے اسی طرح دعا مانگنی چاہیے جیسے حالتِ سختی میں مانگتا تھا، ایسا نہ ہو کہ مطلوب حاصل ہو جانے پر دعا سے سست ہو جائے۔ ایک شخص امام جعفر صادق پاک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں تو آپ نے فرمایا، دعا مانگو جس طرح دعا مانگنے کا حق ہے۔ پہلے اللہ کی حمد کرو، پھر اس کی نعمتوں کو یاد کر کے شکریہ ادا کرو، درود پڑھو اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے ان سے توبہ کرو اور پھر دعا مانگو۔

دعا مانگنے کے فضائل وآداب

دعا بندۂ مومن کا ہتھیار ہے۔ عبادت کا لب لباب اور بندگی کا نچوڑ ہے۔ جب تمام ظاہری سہارے جواب دے جاتے ہیں، توقعات کے روزن بند ہو جاتے ہیں اور امیدوں کے دریچے مقفل ہو جاتے ہیں تو اس وقت بندۂ مومن کے پاس ایک ''دعا'' ہی کی قندیل باقی رہ جاتی ہے جس کی روشنی لیے وہ اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ لجاجت کے ساتھ گڑگڑاتا ہے، اس کے والہانہ نالے پھوٹتے ہیں، آہیں بلند ہوتی ہیں، اشکیں رواں ہوتی ہیں، نوائیں اٹھتی ہیں۔ وہ ڈرتا بھی ہے اور مانگتا بھی ہے، کپکپاتا بھی ہے اور داد و فریاد کے لیے پکارتا بھی ہے۔ شکستگی کی یہی ایک ادا بندگی کی معراج، خالق و مخلوق کے درمیان عجز و نیاز اور نصرتِ خداوندی کی بازیابی کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

''میں ٹوٹے دلوں کے ساتھ ہوں''۔

حدیث شریف میں دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے اور عبادت و دعا کی مستحق تن تنہا اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اس لیے دعا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے مانگنی چاہیے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

''دعوتِ حق اسی کے لیے اور وہ لوگ جو اس سے کٹے ہوؤں کو پکارتے ہیں ذرہ بھر وہ ان کی پکار کا جواب نہیں دیتے سوا اس کے کہ جیسے کوئی دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ وہ اس کے منہ تک آ پہنچے حالانکہ

نہیں ہے اسے وہ پہنچنے والا اور کافروں کا پکارنا نہیں ہے مگر بھٹکنا ہی ہے"۔

(سورۃ الرعد:14)

بلاشبہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کے جملہ اختیارات اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ اکیلا غنی بادشاہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے خاص محبوب بندوں اور اہلِ بیت اطہار کا واسطہ دے کر اللہ سے مانگنا کہ اے باری تعالیٰ ان قدسی ہستیوں کی وجہ سے ہماری دعائیں قبول کرلے، ہم تو اس قابل نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ سے مانگی ہوئی دعاؤں کو رد نہیں کرتا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ عزت و اکرام والی چیز اور کوئی نہیں ہے"۔

(ترمذی)

ایک اور جگہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں مانگتا تو اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے"۔ (ترمذی)

دعا مانگنے کے آداب میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے وہی کچھ مانگنا چاہیے جو حلال اور طیب ہو، ناجائز مقاصد اور گناہوں کے کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ پھیلانا انتہائی درجہ کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ بلکہ حرام اور ناجائز مرادوں کے پورا ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا اور منتیں ماننا دین اسلام کے ساتھ بدترین قسم کا مذاق ہے۔ اسی طرح ان باتوں کے لیے دعا نہیں مانگنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے ازلی طور پر طے فرما دی ہیں اور ان میں تبدیلی ممکن نہیں مثلاً کسی پستہ قد کے انسان کا اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنا کہ یا اللہ میرا قد لمبا کر دے یا کوئی جوان شخص یہ دعا کرے کہ یا اللہ میں ہمیشہ جوان رہوں اور میرے اوپر کبھی بڑھاپا نہ آئے وغیرہ وغیرہ۔

دعا پوری توجہ، انہماک، یکسوئی، گہرے اخلاص، پاکیزہ نیت اور پورے حضورِ قلب کے ساتھ مانگنی چاہیے اور اس یقین واعتقاد کے ساتھ مانگنی چاہیے کہ جس ذات پاک سے میں دعا مانگ رہا ہوں وہ ذات میرے تمام حالات کا پورا پورا علم رکھتی ہے اور وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔

دعا مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نیک اور اچھی امید رکھنی چاہیے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس شخص کی دعا در حقیقت دعا ہی نہیں کہلاتی جس میں غفلت ولاپرواہی اور لاابالی پن کا مظاہرہ ہو اور محض نوک زبان سے چند دعائیہ کلمات بے دلی سے ادا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس نے نیک اور اچھا گمان نہ رکھا ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حضورِ قلب سے دعا مانگا کرو۔ (ترمذی)

دعا انتہائی عاجزی اور خشوع وخضوع کے ساتھ مانگنی چاہیے۔ دعا مانگتے وقت بندۂ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی ہیبت وعظمت اور اس کے کبروجلال سے لرز رہا ہو اور جسم کی ظاہر حالت پر بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا خوف خوب اچھی طرح ظاہر ہو رہا ہو۔ سر اور نگاہیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی ہوں، آنکھیں پرنم ہوں، آواز پست ہو، اعضاء ڈھیلے پڑے ہوئے ہوں اور تمام انداز واطوار سے عجز ومسکنت ٹپک رہی ہو۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کے دوران اپنی داڑھی کے بالوں سے کھیل رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم پر بھی اس کا اثر ضرور نظر آتا۔ (الحدیث)

دعا ایک غیر مرئی طاقت ہے۔ اپنی عاجزی کا پرتَو۔ دعا تو بندے کے کمزور ہونے کی دلیل ہے اور اپنے پروردگار کی برتری کا اعلان بھی۔ اگر اللہ تمہاری دعائیں قبول کر رہا ہے تو سمجھو تمہیں نواز رہا ہے، بندہ پروری کر رہا ہے، اگر دعائیں دیر سے پوری ہو رہی ہیں تو یقیناً اللہ تمہارا صبر بڑھا رہا ہے۔ دعا پوری نہیں ہو رہی تو شاید اللہ کی رضا اسی میں ہو۔ دعا کبھی رد نہیں ہوتی اس کا صلہ ضرور ملتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ دعا مانگتے رہنا چاہیے۔ اللہ سے مانگنا اسے بہت محبوب لگتا ہے۔ دعا تو دستک کی طرح ہوتی ہے۔ اس کے در کبھی بند نہیں ہوتے۔ قبولیت کبھی جلدی اور کبھی دیر سے ہوتی ہے۔ دعا بھی دستک کی مانند ہے، اس کی رحمت کے جواب اور جواز کے حق دار دستک دینے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ جو دستک نہیں دیتے، دعا نہیں کرتے وہ اس استحقاق سے محروم رہتے ہیں۔ جب انسان کی ہمت جواب دے جائے، کوئی آس، کوئی امید، کوئی صورت بر نہ آئے تو اس کا آخری سہارا اللہ کی ذات ہوتی ہے جس کے حضور دعا کر کے، اپنا سب دکھ درد بیان کر کے، اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے، شرمندگی اور ندامت کا اظہار کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لینے ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب تم کسی بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اس سے کہیں کہ وہ ہمارے لیے دعا کرے۔ کئی پریشانیاں، دکھ اور تکالیف ہم ایک دوسرے کے لیے دعا کر کے مداوا کا باعث بن سکتے ہیں۔ جب انسان کی کوششیں، کاوشیں بے کار چلی جائیں، فائدے کی بجائے نقصان ہو رہا ہو۔ کوئی ہمدرد، مونس یا غمخوار نہ ہو، دل مایوسی میں گھر جائے اور بندے کی اپنے سچے ربّ سے لَو لگ جائے تو پھر وہاں سے دعا کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ کئی لوگ حد درجہ بخیل ہوتے ہیں کسی کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا بھی نہیں کرتے حالانکہ کئی مشکلیں، پریشانیاں اور مصیبتیں دعا سے ٹل جاتی ہیں اسی لیے دعا کو عبادت کا مغز قرار دیا جاتا ہے۔

اکثر سنا ہے دعا میں بڑی طاقت ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت سے نجات مل جاتی ہے پھر بندہ یہ کہنے لگ جاتا ہے کہ میں اس کرم کے کہاں تھا قابل؟ آقائے دوجہاں رحمتِ عالم ﷺ نے بھی اللہ سے دعا کی تھی یا اللہ! مجھے عمر بن ہشام دے دے یا عمر بن خطاب عطا کر۔ اس دعا کا ہی اثر تھا کہ مرادِ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر بن خطاب مسلمان ہوئے اور اسلام کی طاقت بن کر ابھرے۔ سومنات پر سترھویں حملے کے وقت جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑنے لگے تو بت شکن محمود غزنوی نے ایک ولیٔ کامل حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا جبہ مبارک سامنے رکھ کر اللہ کے حضور فتح کی دعا کی۔

دعا کی اہمیت اور اس کی قبولیت کے اوقات

دعا اللہ تبارک وتعالیٰ کا عطا کردہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو قسمت کے فیصلے کو مقدور ہونے کے بعد بھی روک سکتا ہے۔ ہم اشرف المخلوقات ہیں۔ اللہ پسند کرتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے مانگتے رہیں اور میں دیتا اور عطا کرتا رہوں۔ دعا دینی اور دنیوی رحمتوں اور برکتوں کی کنجی ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنے سے مصائب اور رنج والم دور ہوتے ہیں اور معرفتِ الٰہی بھی نصیب ہوتی ہے۔ دل ودماغ منور اور معطر ہوتے ہیں اور ایمان کی حلاوت روح تک محسوس ہوتی ہے۔ دعا خوبصورت اور پُرکشش صالح عمل ہے جس کی بدولت ربّ اور عبد کا تعلق اپنے فطری تقاضوں کے مطابق جڑ جاتا ہے۔ اس میں خالق اور مخلوق کے درمیان کچھ حائل نہیں ہوتا۔ دعا میں موجود قلبی اخلاص براہِ راست بارگاہِ الٰہی تک رسائی اور قبولیت حاصل کرتا ہے۔

راحت میں جب بندہ اپنے ربّ کا شکر ادا کرتا ہے تو انہی دعاؤں کی بدولت نعمتوں اور نوازشوں کو اور بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کا ارشادِ پاک ہے کہ آخرت میں بندے کو ان دعاؤں کا بھی اجر ملے گا جو پوری نہ ہوسکی تھیں، ان کے اجر کی کثرت دیکھ کر بندہ تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی۔ اسی لیے دعاؤں کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے، اسے صرف اپنی ہی حد تک محدود نہ رکھیں کیوں کہ دعاؤں کو پورا کرنے والا اللہ ہے کیونکہ اس کے خزانے لامحدود ہیں اور کبھی کمی نہیں آسکتی۔

دعا مانگنے کے لیے نہ تو وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مقام کی۔ جب بھی اور جس وقت بھی موقع ملے، ذکر واذکار اور دعائے خیر میں مشغول رہنا چاہیے۔

احادیث کے حوالہ سے بعض مواقع ایسے بھی ہیں کہ دعا رد نہیں کی جاتی:

1۔فرض نمازوں کے بعد۔ (معجم کبیر طبرانی)

2۔ختم قرآن کے بعد۔ (معجم کبیر طبرانی)

3۔اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

4۔راہِ خدا میں جنگ کے وقت۔ (معجم کبیر طبرانی)

5۔بارش کے وقت۔ (معجم کبیر طبرانی)

6۔کعبۃ اللہ کی زیارت کے وقت۔ (معجم کبیر طبرانی)

7۔ ہر رات ایک ایسا وقت (نامعلوم) آتا ہے کہ بندہ اس میں جو دعا کرے اللہ ضرور قبول فرماتا ہے۔ (مسلم شریف)

8۔ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ اگر اس میں دعا کی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس میں بہت سے اقوال ہیں لیکن دو زیادہ مشہور ہیں: عصر سے مغرب کے درمیان، جمعہ کا وقت شروع ہونے سے جماعت کے قیام تک۔

9۔حضرت ربیعہ ابن وقاص سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تین مواقع ایسے ہیں کہ ان میں انسان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

ا) ایسا جنگل یا بیابان جہاں خدا کے سوا اسے دیکھنے والا کوئی نہ ہو اور وہ خدا کے حضور نماز ادا کرے اور پھر دعا کرے۔

ب) وہ شخص جسے میدانِ جہاد میں اس کے ساتھی چھوڑ کر بھاگ جائیں اور وہ ثابت قدم رہے اور اس حال میں دعا کرے۔

ج) وہ شخص جو رات کے آخری حصے میں نماز کے لیے کھڑا ہو اور دعا کرے۔

(بحوالہ معارف الحدیث جلد:5)

10) نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''سجدے کی حالت میں انسان اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہٰذا اس حالت میں کثرت سے دعا کرو''۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ پانچ دعائیں بندے کی ذاتی طور پر خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں:

1) مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے لے۔

2) حاجی کی دعا جب تک وہ لوٹ کر گھر واپس نہ آ جائے۔

3) مجاہد کی دعا جب تک کہ وہ شہید ہو کر لاپتہ نہ ہو جائے۔

4) بیمار کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہوجائے۔

5) ایک مسلمان بھائی کی دوسرے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ دعا۔

ان سب کے بیان کے بعد یہ فرمایا کہ ان دعاؤں میں سب سے جلد قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کے لیے غائبانہ دعا ہے۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

اس کے علاوہ دوسری احادیث میں یہ دعائیں بھی نقل کی گئی ہیں:

1۔باپ کی دعا اولاد کے لیے

2۔مسافر کی دعا

3۔روزہ دار کی دعا افطار کے وقت

جس عبادت و دعا میں جس قدر شائستگی اور ادب کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا۔ قبولیت کے اتنا ہی قریب ہو گا۔ دونوں ہاتھ اس طرح اٹھانا کہ ہتھیلیوں کا رخ چہرے کی طرف ہو۔ دعا کے بعد ہاتھوں کا چہرہ پر پھیر لینا۔ (ابوداؤد)

دعا کے آداب میں علامہ قسطلانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑا خلا بھی ہونا چاہیے بلکہ ملے ہوئے نہ ہوں۔

دعا کے آخر میں آمین کہنا۔ جس کا مطلب ہے اے اللہ! میری یہ دعا قبول فرما۔ ابو داؤد کی ایک روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو دعا میں آہ وزاری کرتے ہوئے سنا تو صحابہ سے فرمایا کہ اگر اس شخص نے دعا کا خاتمہ صحیح کیا اور مہر ٹھیک لگائی تو جو اس نے مانگا ہے اس کا فیصلہ کرالیا۔ صحابہ میں سے ایک نے عرض کی حضور درست خاتمے اور مہر ٹھیک لگانے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر میں آمین کہہ کر دعا ختم کرے اگر اس نے ایسا کیا تو مراد پا گیا۔

دعا تمام انبیاء علیہ السلام کا معمول

دعا کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ثابت ہے اور یہ ہمیشہ ہی سے ابن آدم کا شعار ہی ہے جبکہ ملائکہ بھی اللہ پاک سے دعا گو رہتے ہیں۔ تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلی عبادت جو حضرت آدم اور اماں حوّا کو سکھائی گئی وہ دعا ہی تھی اور اس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بھی موجود ہے

''دونوں عرض کرنے لگے پروردگار ہمارے! ہم اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تو اگر تُو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحمت نہ فرمائی تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے''۔

(سورۃ اعراف 23)

قرآنِ مجید، فرقانِ حمید سے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت طالوت علیہ السلام اور اصحابِ کہف کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کا دعا مانگنا ثابت ہے اور سورۃ آلِ عمران میں حضرت عمران کی زوجہ اور حضرت مریم کی والدہ کی دعائیں موجود ہیں۔

قرآنِ مجید میں کچھ دعائیں ایسی بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے صرف حضورِ اکرم ﷺ اور آپ کی امت کو سکھانے کے لیے ارشاد فرمائیں۔ سورۃ اخلاص، سورۃ الکافرون، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سمیت دیگر آیاتِ قرآنی میں بڑی وضاحت کے ساتھ تفصیل موجود ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا:

''اے پیغمبر! اور عرض کرو! میرے ربّ! بخش دے اور رحم فرما اور تُو سب سے

زیادہ رحم فرمانے والا ہے“۔

(سورۃ المومنون: 118)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ دعاؤں میں تمام دعاؤں کی سرتاج سورۂ فاتحہ ہے جس میں حمدِ ربانی بھی ہے، تذکرۂ آخرت بھی ہے، ہر خیر کا سوال بھی ہے اور ہر قسم کے شر سے پناہ مانگنا بھی سکھا دیا گیا۔ قرآن مجید کے بعد ہمارا سب سے بڑا سرمایہ وہ دعائیں ہیں جو رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوئیں۔ تاثیراً ان کا بھی وہی مقام ہے جو کہ قرآنی دعاؤں کا ہے۔ ہمارے پیارے آقا ﷺ نے بھی ہمیں اس کی تلقین کی۔ آپ ﷺ زندگی کے ہر معاملے میں دعا کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے اور ان دعاؤں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت کی کوئی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بھلائی ایسی نہیں کہ جس کی آپ ﷺ نے دعا نہ فرمائی اور اسی طرح کوئی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی برائی ایسی نہیں کہ جس سے آپ نے پناہ نہ مانگی ہو۔

دعاؤں ومناجات کا بے نظیر مجموعہ صحیفۂ سجادیہ

امام زین العابدین کا اسمِ گرامی علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ کنیت ابو محمد اور مشہور القاب زین العابدین، سید الساجدین، عابد اور سجاد ہیں۔ آپ نے 15 جمادی الاول اور بعض روایات میں 5 شعبان 38 ھجری کو مدینہ منورہ میں امام پاک رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ گھرانے میں جنم لیا۔ آپ کی والدہ گرامی حضرت شہر بانو تاریخ کی عظیم ترین خواتین میں سے ایک ہیں جو آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد دوم کی بیٹی تھیں۔

امام علی بن الحسین رضی اللہ عنہ جب بھی کوئی کار خیر بجالاتے سجدہ بجالاتے۔ اسی لیے سجاد کے نام سے شہرت ملی، جب خدا کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے، دو گروہوں میں صلح کرواتے سجدۂ شکر ادا کرتے۔ کثرتِ سجدہ کی بنا پر آپ کے مواضع سجدہ پر گھٹے پڑ جاتے جنہیں کٹوانا پڑتا تھا۔ (ارجح المطالب)

ہشام بن عبد الملک جو بنو امیہ کا دسواں اور مروان خاندان کا ساتواں حکمران تھا، ان کے سامنے دنیائے عرب کے مشہور شاعر فرزوق نے جن الفاظ میں امام زین العابدین پاک رضی اللہ عنہ کا تعارف کرایا وہ آپ کی عظمت کی روشن مثال ہے:

”اے ہشام اگر تو ان کو نہیں پہچانتا تو مجھ سے سن! یہ وہ ہیں قرآن جن کے فضائل کو سینے سے لگائے ہوئے ہے، یہ وہ ہیں جن کے دلیرانہ اقدام دیکھ کر شیروں کے دل کانپتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کی جودوسخا پر ابر باراں کو بھی رشک آتا ہے، یہ وہ ہیں جن کے نشان قدوم میمنت لزوم کو مکہ پہچانتا ہے، انہیں خانہ کعبہ جانتا ہے، ان سے ساری دنیا واقف ہے، ساری مخلوق ان سے شناسا ہے، ان سے حرم آشنا ہے، یہ اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو پوری روئے زمین کے لیے باعث زینت ہے، انہی لوگوں نے اپنے علم کی روشنی سے ہمارے لیے دین کی وضاحت فرمائی، یہ وہ ہیں کہ خالقِ کائنات نے ان کو بڑے فضائل ومناقب عطا فرمائے ہیں۔ ان کے جسم پھول کی طرح تازہ اور نورانی بنائے ہیں، یہ فرزندِ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، اگر تو نہیں پہنچانتا تو یہ فرزندِ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں“۔

جب کوئی چھوٹا کسی بڑے کو درخواست کرتا ہے تو اسے اپنے جذبات، کیفیت اور مدعا کے ساتھ ساتھ بزرگ کی شان کے اظہار کے لیے الفاظ کی تلاش ہوتی ہے۔ اللہ سے مانگنے کا جو انداز اور درس امام زین العابدین پاک کی دعاؤں اور مناجات کے مجموعہ ”صحیفۂ سجادیہ“ سے ملتا ہے، تاریخ اسلام اس کی تاثیر اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کتاب میں مذکور دعائیں حسنِ بلاغت، کمال فصاحت کا شاہکار ہیں۔ صحیفہ سجادیہ ایسی مناجات اور راز و نیاز پر مشتمل ہے جو کہ ایک انسان اپنی زندگی کی مشکلات کے بحران میں اپنے خدا کے ساتھ خلوت و تنہائی میں بیان کرتا ہے۔ ان دعاؤں سے پروردگار کی عظمت و قدرت کے سامنے انسان کی عاجزی و ناتوانی کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ عجز و انکساری پر مشتمل الفاظ و عبارات اللہ سے طلبِ حاجت کا ذریعہ ہی نہیں، انسان کی روحانی تربیت کا بھی وسیلہ ہیں۔ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان ہستیوں میں شامل ہیں جو گناہوں اور معصیت سے پاک تھے یہاں تک کہ انہیں عبادت گزاروں کی زینت کہا گیا۔ آپ کی تعلیم کردہ دعائیں گناہگار انسانوں کے لیے درسِ ہدایت کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ یہ دعائیں فکر انسانی کو پرواز کا طریقہ سکھاتی ہیں اور عقل انسانی کو شعور و ادراک کی دولت عطا کرتی ہیں۔ یہ دعائیں بندگانِ خدا کے لیے موعظہ و ہدایت ہیں جن کو سمجھنے اور عمل کرنے والا دانائے راز، عارف اور صاحبِ بصیرت بن جاتا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ: سیرت مصطفیٰ کی روشنی میں تجارت اور اصول تجارت

غرض سے خریدنا تاکہ اسے بیچ کر نفع حاصل کیا جائے خواہ بعد میں نفع ہو یا نقصان، جب کہ بیع کا لفظ وسیع تر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ خرید وفروخت کی دو قسمیں ایسی ہیں جو بیع تو ہیں مگر تجارت میں شامل نہیں:

1۔ ذاتی استعمال کے لیے چیز خریدنا یہ بیع تو ہے لیکن تجارت نہیں کیوں کہ اس کا محرک نفع کا حصول نہیں بل کہ اپنی ضرورت ہے۔

2۔ کسان کا اپنی فصل یا مینوفیکچرر کا اپنی مصنوعات بیچنا یہ بیع تو ہے مگر تجارت نہیں کیوں کہ یہ دونوں کسی سے چیز خرید کر نہیں بیچتے بل کہ خود پیدا یا تیار کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ جائز ہے لیکن اصول تجارت تب ہی ہوگی جب چیز ایک سے خرید کر دوسرے کو بیچی جائے۔

غیر سودی تجارت

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شراکت سے مراد ایسا کاروبار ہے جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد اپنا سرمایہ یا محنت اس طرح ملاتے ہیں کہ ان میں سے ہر فریق کے یکساں حقوق و ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور ان کا مقصد نفع، آمدن یا مشترکہ سرمائے کے اضافے میں طے شدہ نسبت سے حصہ داری اور نقصان کی صورت میں ہر حصہ دار کو سرمائے کی نسبت کے اعتبار سے نقصان برداشت کرنا ہوتا ہے۔ شراکتی کاروبار کے لیے سرمایہ لازمی نہیں، ذہنی، جسمانی اور سماجی صلاحیتیں بھی شرکت کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

مشترکہ سرمایہ کاری کے سلسلے میں اسلام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ نفع و نقصان کی شراکت (PLS) پر مبنی ہونی چاہیے جس کے تحت کاروبار کے تمام فریق تجارتی خطرات (Risk) برداشت کریں۔ اس کی دو عمومی اقسام ہیں جن کے جواز پر فقہاء کا اجماع ہے:

1۔ مشارکہ   2۔ مضاربہ

مشارکہ میں مشترکہ کاروبار کے حصے دار سرمایہ فراہم کرتے ہیں، جن کا برابر ہونا لازمی نہیں، نفع کی تقسیم کے لیے پہلے سے کوئی نسبت طے کر لیتے ہیں اور نقصان کی صورت میں ہر حصہ دار اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان برداشت کرتا ہے۔

باقی آئندہ

شاہ جی کے گلستانِ "تبصرہ و تذکرہ" سے ایک پھول قارئین کی نذر

ڈاکٹر منظور حسین اختر

کسی تحریر کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کرنا شاید اپنی تحریر لکھنے سے بھی زیادہ مشکل کام ہے کیونکہ اصل تحریر کا "مافی الضمیر" یا اصل مقصود معلوم کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوسکتا ہے۔ یہ تو عام تحاریر کا عالم ہے، چہ جائیکہ کوئی قرآن کے ترجمے کو حتمی قرار دے یا مقصود الٰہی قرار دے۔ حاشا وکلّا۔

اسی لیے ہر دور میں علما ، اپنے دور کے تقاضوں کے آئینے میں قرآن کا ترجمہ کرتے رہے اور آیات بینات کا مفہوم حتی المقدور واضح کرتے رہے لیکن کسی کا بھی دعویٰ نہ ہوا کہ انھوں نے قرآن کے ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کا مفہوم واضح کر دیا ہے اور اب کسی ترجمے کی ضرورت نہیں۔ سب مفسرین و تراجم نگاروں نے واللہ اعلم بالصواب کہہ کر بتا دیا کہ اصل مفہوم و مقصود اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے۔

جس طرح ہر دور میں قرآنِ پاک کے تراجم ہوئے اور ہر ترجمہ نگار نے اپنے علم کے مطابق قرآنی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش صدق دل سے کی، اسی طرح ہمارے دور میں مفسر قرآن، مفکر اسلام، عالم با عمل، یادگار اسلاف حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ جی نے قرآنِ پاک کا ایک ایسا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے کہ جو اپنی مثال آپ ہے۔ اگرچہ آپ کا ایک ترجمہ "ہندکو" زبان میں بھی صفحہ قرطاس پر منتقل ہو چکا ہے۔

آپ قرآن پاک کی تفسیر "تبصرہ" بھی تحریر فرما رہے ہیں جو پندرہ پاروں سے زیادہ زیور طبع سے آراستہ بھی ہو چکی ہے۔

کئی تراجم نگاروں نے قرآن پاک کے مفہوم کو اردو جامہ پہنانے کی ان تھک اور پُرخلوص کوششیں کی ہیں، سب کی کوششیں ثمر بار ہیں لیکن نیوٹرل ہو کر اور بغیر کسی تعصب کے اگر پیر سید ریاض حسین شاہ جی کا ترجمہ پڑھا جائے تو فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے اور قاری یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

"ھٰذا من فضل ربی"

ایں سعادت بزور بازو نیست

آیئے!

پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ترجمہ کی اہمیت اور علمی حیثیت سمجھنے کے لیے صرف ایک مثال ہی پیش خدمت ہے۔ یاد رہے ایسی انفرادیت شاہ جی کے ترجمہ میں آپ کو بار ہا ملے گی۔

قرآن پاک کی سب سے لمبی سورت سورۂ بقرہ میں مومنین کی صفات ذکر کرنے کے بعد دو آیات پکے کافروں کی بیان کی گئیں اور پھر پورا رکوع منافقین کی علامتوں پر مبنی ہے۔ ان علامات میں سے ایک علامت اور ایک نشانی کا ذکر آیت نمبر 13 میں کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اٰمِنُوۡا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ کَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَہَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ السُّفَہَآءُ وَ لٰکِنۡ لَّا یَعۡلَمُوۡنَ

﴿سورۃ البقرۃ: آیت 13﴾

زیر نظر آیت کے تحت پیر سید ریاض حسین شاہ جی کے ترجمہ کی انفرادیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے چند ہم عصر ترجمہ نگاروں کے تراجم کو پڑھا جائے۔

تو آیئے صرف بائیس تراجم نذر قارئین کیے جاتے ہیں:

1۔ ترجمہ: کنزالایمان

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی

"اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں سنتا ہے وہی احمق ہیں مگر جانتے نہیں"۔

2۔ ترجمہ الحسنات:

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری:

"اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ سنو وہی احمق ہیں لیکن جانتے نہیں"۔

3۔ ترجمہ تبیان القرآن

مولانا غلام رسول سعیدی:

"اور جب ان سے کہا گیا: اس طرح ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ لائے ہیں' تو انھوں نے کہا: کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں؟ سنو یہی لوگ بیوقوف ہیں لیکن ان کو علم نہیں ہے"۔

4۔ ترجمہ صراط الجنان

ابوصالح محمد قاسم القادری:

"اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اسی طرح ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں: کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ سن لو: بیشک یہی لوگ بیوقوف ہیں مگر یہ جانتے ہیں"۔

5۔ ترجمہ ضیاء القرآن

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری:

"اور جب کہا جائے انھیں ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف خبردار! بیشک وہی احمق ہیں مگر وہ جانتے

نہیں''۔

6۔ترجمہ عرفان القرآن

شیخ الاسلام ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (تم بھی) ایمان لاؤ جیسے (دوسرے) لوگ ایمان لے آئے ہیں،تو کہتے ہیں: کیا ہم بھی (اسی طرح) ایمان لے آئیں جس طرح (وہ) بیوقوف ایمان لے آئے، جان لو! بیوقوف (درحقیقت) وہ خود ہیں لیکن انھیں (اپنی بیوقوفی اور ہلکے پن کا) علم نہیں''۔

7۔ترجمہ اشرف الحواشی

شاہ رفیع صاحب:

''اور جب ان سے کہو ایمان لاؤ جس طرح اور (سچے) لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اتو بن جائیں) جس چرح اتو ایمان لائے ہیں ہم بھی ایمان لاویں سن لو وہ خود اتو ہیں پر نہیں جانتے''۔

8۔ترجمہ بیان القرآن

مولانا اشرف علی تھانوی:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لاویں گے جیسا ایمان لائے ہیں بیوقوف یا درکھو بیشک یہی ہیں بیوقوف لیکن وہ اس کا علم نہیں رکھتے''۔

9۔ترجمہ ترجمان القرآن

مولانا ابوالکلام آزاد:

''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان کی راہ اختیا کرو جس طرح اور لوگوں نے اختیار کی ہے تو کہتے ہیں کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح (یہ) بیوقوف آدمی ایمان لے آئے ہیں (یعنی جس طرح ان لوگوں نے بے سروسامانی و مظلومی کی حالت میں دعوت حق کا ساتھ دیا اسی طرح ہم بھی بیوقوف بن کر ساتھ دے دیں؟) یادرکھو فی الحقیقت یہی لوگ بیوقوف ہیں اگرچہ (جہل وغرور کی سرشاری میں اپنی حالت کا) شعور نہیں رکھتے''۔

10۔ترجمہ معارف القرآن

مفتی محمد شفیع:

''اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیسا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے''۔

11۔ترجمہ احمد علی

مولانا احمد علی لاہوری:

''اور جب انھیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں خبردار وہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے''۔

12۔ترجمہ بیان القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد:

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ' جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں" "وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟" "آگاہ ہوجاؤ کہ وہی بیوقوف ہیں' لیکن انھیں علم نہیں"۔

13۔ترجمہ تفہیم القرآن

مولانا مودودی:

''اور جب ان سے کہا گیا کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں اسی طرح تم بھی ایمان 13 لاؤ تو انھوں نے یہی جواب دیا کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان 14 لائیں؟ خبردار! حقیقت میں تو یہ خود بیوقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں ہیں''۔

14۔ترجمہ تیسیر الرحمن لبیان القرآن

محمد لقمان سلفی:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے (26) کہ ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے، تو وہ کہتے ہیں (27)، کیا ہم ایمان لائیں جس طرح بیوقوف لوگ ایمان لائے، مومنو! ہوشیار رہو، درحقیقت وہی لوگ بیوقوف ہیں، لیکن وہ اس حقیقت کو جان نہیں رہے ہیں''۔

15۔ترجمہ سرسید

سرسید احمد خان:

''اور جب ان سے کہو کہ تم اس طرح ایمان لے آؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لاویں جس طرح بیوقوف ایمان لائے ہیں، ہاں وہی ہیں بیوقوف پر جانتے نہیں''۔

16۔ترجمہ مکہ

مولانا جونا گڑھی مطبع شاہ فہد قرآن کمپلیکس سعودی عرب:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اور لوگوں (یعنی صحابہ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں، (۱) خبردار ہوجاؤ یقیناً یہی بیوقوف ہیں، لیکن جانتے نہیں''۔

17۔ترجمہ ماجدی

مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم (ایسا) ایمان لے آئیں جیسا کہ بےوقوف ایمان لائے ہیں۔ سن رکھو کہ بےوقوف تو خود یہی لوگ ہیں اور اس کا بھی علم نہیں رکھتے''

18۔ترجمہ البیان (الغامدی)

جاوید احمد غامدی:

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لاؤ، جس طرح (تمھارے سامنے) یہ لوگ ایمان لائے ہیں تو (بڑے تکبر سے) کہتے ہیں کہ ہم کیا ان احمقوں کی طرح ایمان لائیں؟ سن لو، یہی احمق ہیں، لیکن نہیں جانتے''

19۔ترجمہ الکوثر (اہل تشیع)

محسن علی نجفی:

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دیگر لوگوں کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو وہ کہتے ہیں کیا ہم (بھی ان) بےوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ یاد رہے! بےوقوف تو خود یہی لوگ ہیں لیکن یہ اس کا (بھی) علم نہیں رکھتے"۔

بقیہ صفحہ 40 پر

حضورِ شوق کی جنت بستی

حافظ شیخ محمد قاسم

دنیا کے نقشہ پر کہتے ہیں قدیم ترین شہر مکہ ہے۔اس میں اللہ کا گھر ہے۔دنیا بھر کے مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ انوارِ الٰہیہ کی جلوہ گاہ ہے۔اس امن والے شہر میں اللہ کے محبوب کی ولادت ہوئی،شہرِ دلبر کا ہر ذرہ ہدایت کا نشان ہوگیا۔ یہ نبیوں کی گذرگاہ بھی ہے اور جلوہ گاہ بھی، اسے رحمتوں کی آماجگاہ ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ یہاں ثواب العبادات لاکھ گنا زیادہ ہوجاتا ہے۔اس کی زیارت کے لیے عشاق کے قافلے ہر موسم میں چلتے ہی رہتے ہیں۔ رحمتوں کے سمے ایک قافلہ چلا کہ شوق محبت زیارت سے دوآتشہ ہو،ہمیں بھی شاہ جی کی معیت میں اس خاک نور پر بوسہ زن ہونے کا موقع ملا۔حج وعمرہ ویسے بھی مغفرت ذنوب کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن جب کوئی خضر راہ بھی میّسر ہوتو منزل کی طرف چلنا نہیں پڑتا،منزل خود طالب کا استقبال کرتی ہے۔حضور شوق کی اس جنت بستی میں بالکل پہاڑوں کے دامن میں ایک دوست کے گھر محفلِ ذکر منعقد ہوئی ۔نعتیہ زمزموں نے دل دھوئے، تصورِ مدینہ نے آنکھوں کو غسل دیا، شاہ جی نے دھیمے دھیمے لہجے میں مقامِ انسانیت پر گفتگو کی اور فرمایا:

”ایک انسان وہ ہے جو گناہ کی ظلمتوں میں بسا رہتا ہے اور ظالمانہ رویوں نے اُسے لوٹ رکھا ہوتا ہے، وہ ننگِ آدمیت ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا سکندرِ اعظم کے اُستاد ارسطو نے انسان کو سیاسی حیوان قرار دیا۔شاید اُس کے نزدیک انسانیت صرف وزیروں اور بادشاہوں کے وجود میں دکھائی دے سکتی ہے۔ مزدور، کسان، غلام، عورتیں اور محنت کش ارسطو کے نزدیک انسان نہیں تھے“۔

ایک مفکر نے کہا کہ انسان معاشرتی حیوان کا نام ہے اس لیے کہ یہ ایک دوسرے سے مل کر رہتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ مل کر رہنا تو بعض حیوانات میں بھی قابلِ رشک ہوتا ہے۔شہد کی مکھیاں، چیونٹیاں اور کیڑے جس طرح آپس میں مل کر رہتے ہیں دیدنی ہوتا ہے۔بعض علمائے حکمت کہتے ہیں انسان حیوانِ ناطق ہے۔بولنا اس کا تفرُّد ہے اور گفتگو کرنا اس کا امتیاز ہے۔ شاہ جی نے فرمایا چالیس لفظوں تک بولنا تو بندروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔بعض الفاظ تو طوطے بھی ادا کر لیتے ہیں۔کیا وہ انسانیت کی معراج کو چھو لیتے ہیں۔بینجمن کہتے ہیں انسان صرف وہ ہوتے ہیں جو اسلحہ بناتے ہیں اور جمع کرتے ہیں اس اعتبار سے تو انسانیت صرف بڑی طاقتوں کے پاس ہوگی۔

شاہ جی سے جو لوگ قریب رہتے ہیں انہیں معلوم ہے وہ بعض اوقات آٹھ آٹھ دن تک بولتے نہیں۔ایک ایسا جلال اُن کے تشخص کو لپیٹ لیتا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیفیت عموماً حرمین شریفین میں آپ پر طاری ہوتی ہے ہاں جب سیّد ضیاء الحق شاہ صاحب گیلانی نے فقرا کی معیت میں قدم بڑھایا ہے شاہ جی اُن کی محبت اور احترام میں محافل میں گفتگو کر لیتے ہیں۔آج کی محفل بھی انہی کے تصدق تھی۔شاہ جی مقام انسانیت پر مغربی افکار کی دھجیاں بکھیر رہے تھے محفل میں ایک لمحہ ایسا آیا جیسے شاہ جی نے بغداد کو اُٹھا کر ”ام القریٰ“ میں رکھ دیا ہو۔آپ نے انسانیت پر گفتگو کرتے ہوئے سیّدی و مولائی شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ مقالہ پیش فرمایا اور شاید فتوح الغیب کا حوالہ دیا تھا۔فرمایا شیخ لکھتے ہیں:

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو اپنی زبان اور دل سے کوئی کام نہیں لیتے اور نہ ہی اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کی زبان سے اللہ کا ذکر صادر ہوتا ہے۔ظاہری دنیا کی رونقوں کے سوا اُن کا دل علم وحکمت سے خالی ہوتا ہے ایسے لوگوں میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔اللہ کے نزدیک ایسے لوگ بے کارِ محض ہیں اُن کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا ہے ہاں اللہ کی توفیق سے یہ لوگ اپنے آپ کو بدل ڈالیں تو اور بات ہے ایسے لوگوں سے راہ و رسم رکھنا کوئی روحانی منفعت نہیں رکھتا بلکہ یہ لوگ عذابِ الٰہیہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت کا اظہار واقرار کرتے ہیں لیکن اُن کے دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں، وہ لوگوں کے سامنے اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں لیکن خود اُن کو عمل کی توفیق نہیں ہوتی،لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں لیکن خود اُن کے قدم نیکی کی طرف نہیں اٹھتے، وہ دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں لیکن اپنی گناہ نہیں دیکھتے وہ دوسروں کے سامنے پارسا بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اپنی تنہائیوں میں کبائر کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں آتے گویا وہ درندہ صفت انسان ہوتے ہیں جو انسان کے بھیس میں دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے اور آپ نے فرمایا اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خوف ”علمائے سو“ کا ہے یعنی وہ بے عمل لوگ جو خیر کو شر اور شر کو خیر بنا کر ظاہر کرتے ہیں ایسے لوگوں سے بھی اللہ کی پناہ۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو دل والے ہیں اُن کے قلوب اور ارواح اسرار و معرفت کے نور سے بھرے رہتے ہیں اُن کی زبانیں نہیں کھلتیں زیادہ خاموش رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہوتا ہے وہ اپنے عیبوں کو جانتے ہیں اس لیے انہیں ہمیشہ اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ یہ عظیم لوگ گوشہ نشینی میں عافیت سمجھتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

”جس نے خاموشی برتی وہ نجات پا گیا نیز فرمایا اگر عبادات کے دس حصے کیے جائیں تو نو حصے

خاموش رہنے میں ہیں یہ لوگ اللہ کے دوست ہوتے ہیں اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں اور وافر عقل رکھنے والے ہوتے ہیں اُن کے پاس بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے اس لیے چاہیے کہ اُن کی صحبت اختیار کی جائے“۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جن کی عظمت کے گواہ جن و انس اور شجر و کاہ ہوتے ہیں اور فرشتے اُن کے ہم رکاب رہتے ہیں، ایسے لوگ ملائکہ میں عظیم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اُن کے دل اسرار الٰہیہ کا خزانہ ہوتے ہیں۔ اُس نے انہیں اپنے لیے چن رکھا ہوتا ہے اُن کی ذہانت اور فطانت مکمل ہوتی ہے اگر وہ کسی کی سفارش کریں تو اُن کی سفارش سنی جاتی ہے وہ اصل میں انبیاء کے نائب اور جانشین ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی عداوت سے پرہیز لازم ہے اور اُن کی طرف رجوع ہی میں برکت ہے۔

شاہ جی کے مؤثر اسلوب گفتگو سے لگ رہا تھا ہر شخص کو انسان کا متلاشی بنا دیا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب بولے! انسان ہونا بھی بڑی چیز ہے۔ شاہ جی نے کہا انسان ہونا بھی بڑی چیز ہے لیکن مسلمان ہونا بہت ہی بڑی چیز ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کردار اور اخلاق اپنائیں کہ دنیا بھر کے انسان محسوس کریں انسانیت صرف مسلمانوں ہی کے حرم تربیت سے میسر آسکتی ہے۔

بقیہ: ”تبصرہ و تذکرہ“

20۔ ترجمہ لفظی

ڈاکٹر فرحت ہاشمی

[وَ : اور] [اِذَا : جب] [قِيْلَ : کہا جاتا ہے] [لَهُمْ : واسطے ان کے] [اٰمِنُوْا : ایمان لے آؤ] [كَمَآ : جیسا کہ] [اٰمَنَ : ایمان لائے] [النَّاسُ : لوگ] [قَالُوْٓا : وہ کہتے ہیں] [اَ : کیا] [نُؤْمِنُ : ہم ایمان لائیں] [كَمَآ : جیسا کہ] [اٰمَنَ : ایمان لائے] [السُّفَهَآءُ : بیوقوف] [اَلَآ : خبردار] [اِنَّهُمْ : بیشک وہ] [هُمُ : وہی ہیں] [السُّفَهَآءُ : جو بیوقوف ہیں] [وَلٰكِنْ : لیکن] [لَّا : نہیں] [يَعْلَمُوْنَ : وہ علم رکھتے]

21.TranslationMuhammad Ali

''When asked to believe as others do, they say: "Should we believe like fools" And yet they are the fools, even though they do not know.''

22.Translation Wahid Dudin

''And when they are told, "Believe as other people have believed", they say, "Are we to believe just as fools believe" Surely they are the fools, even though they do not realize it''.

قارئین کرام! آپ نے اردو زبان میں ہونے والے بیس اور انگلش زبان کے دو ترجمے ملاحظہ کیے۔ اب شاہ جی کے ترجمہ کی انفرادیت محسوس کیجیے!!!

اس آیت کریمہ میں منافقین کی ایک علامت کا ذکر کیا گیا یعنی عام مومنین صحابہ کو بتایا گیا کہ منافقین کی ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ایک sample کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے کہ ایمان لانا ہے تو ایسے ایمان لاؤ جیسے ”الناس“ ایمان لائے۔

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ”الناس“ کی طرح ایمان لاؤ“۔

یہاں قرآن نے لفظ ”الناس“ استعمال فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ عام ترجمہ نگاروں نے ”لوگ“ کیا ہے، جو کہ یقیناً غلط نہیں ہے، لیکن اگر یہاں ”الناس“ کا ترجمہ ”لوگ“ ہی کیا جائے تو آیت کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

یاد رہے ابھی منافقین مومنین صحابہ میں گھلے ملے ہیں۔ خاص صحابہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں کہ کون اندر سے منافق ہے ابھی منافقین کو الگ الگ نہیں کیا گیا، اس پس منظر میں آیت قرآنیہ کو پھر پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

فرمایا جارہا ہے:

”الناس“ کی طرح ایمان لاؤ

سوال پیدا ہوا کہ ظاہری طور پر ایمان لانے والوں میں تو منافقین سبھی شامل ہیں لیکن انہی کا تو ان آیات میں رد کیا جارہا ہے تو ان کو بطور نمونہ تو پیش نہیں کیا جاسکتا۔ سوال پیدا ہوا کہ کن لوگوں کو بطور نمونہ یا بطور symbol پیش کیا جارہا ہے کہ جن کا ایمان کسوٹی ہے اور ان کے ایمان کی طرح کے ایمان کا تقاضا کیا جارہا ہے۔ لامحالہ اس آیت میں جن لوگوں کو بطور نمونہ پیش کیا جارہا ہے اور جن کے ایمان کو کسوٹی قرار دیا جارہا ہے وہ مخلص صحابہ و اہل بیت کا ایمان ہے لیکن یہ کیسے علم ہوگا کہ کون اندر سے مخلص ہے اور کون مخلص نہیں۔ یہ سوال مندرجہ بالا تراجم میں قائم رہتا ہے اس کا جواب ہمیں نہیں ملتا۔ اب آیئے شاہ جی کا ترجمہ پڑھیں:

”اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے محبت والے ایمان لائے“۔

یہاں شاہ جی نے ”الناس“ کا معنی ”محبت والے“ کیا ہے جس سے ہر سوال کا جواب خود بخود مل جاتا ہے اور کوئی سوال قائم نہیں ہوتا۔

گویا منشا قرآنی معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے ایمان کو سند اور کسوٹی قرار دیا ہے وہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی و مولا علی، و دیگر محبت والے لوگ ہیں، ان میں بے محبت یعنی منافقین شامل نہیں۔

ورنہ لوگوں میں تو منافقین اور مخلصین سبھی شامل تھے۔ سوال پیدا ہوا کہ ”الناس“ کا معنی محبت والے کرنا کیسا ہے؟

تو علما نے ”الناس“ کے دو معنی بیان کئے کہ ”الناس، نسیان“ سے ہے جس کا معنی بھول جانا ہے انسان چونکہ بھولنے کا عادی ہے اس لیے اسے انسان کہا جاتا ہے۔

دوسرا معنی انسان انس سے ہے جس کا معنی محبت ہے یعنی انسان محبت والا ہی ہے بغیر محبت کے تو انسان کہلانے کا حقدار ہی نہیں۔

بلکہ علما نے فرمایا کہ بھولنا اور نسیان سے انسان کا مفہوم بھی محبت والا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ محبت میں انسان محبوب کے سوا سب کو بھول جاتا ہے اور اس کی یادوں میں سوائے محبوب کے کچھ اور نہیں ہوتا، اسی لیے انسان کو چاہے مادہ نسیان سے مانا جائے یا انس سے مانا جائے مطلب اس کا محبت کرنے والا ہی ہوگا۔

گویا شاہ جی کا ترجمہ عین مفہوم کے مطابق ہے کہ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت کرنے والے ہیں ان جیسا ایمان لاؤ اور اللہ و رسول سے ان جیسی محبت کرو پھر تمہارا ایمان قابل قبول ہوگا، ورنہ

زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا
دل دا پڑھدا کوئی ہُو